فلسفۂ دعا پر بصیرت افروز تبصرہ کا ایک خوبصورت مجموعہ

موجودہ دَور کے اَندھیرے

اور

دُعائے نبوی کی روشنی
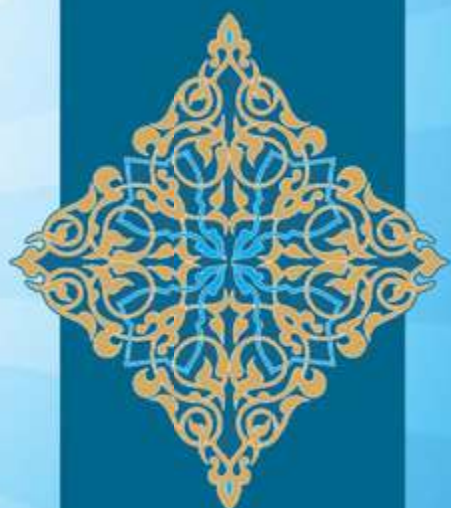
(حصۂ اول)

تالیف

محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی

اُستاذِ حدیث وفقہ دار العلوم حیدرآباد

وسابق معین المدرسین دار العلوم دیو بند

07207326739, 09631337468

mtalam800@gmail.com

نام کتاب	:	موجودہ دور کے اندھیرے اور دعائے نبوی کی روشنی
مولف	:	محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی
سنِ اشاعت	:	۱۴۳۸ھ - ۲۰۱۷ء
تعدادِ صفحات	:	۱۷۴
کمپیوٹر کتابت	:	محمد بشیر معروفی قاسمی (دارالعلوم حیدرآباد)
قیمت	:	150
ناشر	:	جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد

ملنے کے پتے

(۱) محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی (دارالعلوم حیدرآباد) موبائل: 07207326739

(۲) ہندوستان پیپر امپوریم، مچھلی کمان، چارمینار حیدرآباد، موبائل: 9246543507

(۳) مکتبہ سنابل، مغل پورہ، حیدرآباد، موبائل: 09347024207

(۴) مکتبہ الحرمین، دیوبند، موبائل: 08979354752

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعائیہ کلمات

آج ساری دنیا میں جو فتنہ وفساد برپا ہے اور طرح طرح کی برائیاں پائی جاری ہیں، اس کی بنیادی وجہ رب العالمین سے دوری اور خدا فراموشی ہے، حضرات انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا بنیادی مقصد خدا اور بندے کے تعلق کو جوڑنا اور ربط کو مضبوط بنانا ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات کے لیے اس کے مناسب جو دعائیں تعلیم فرمائی ہیں، اس کا مقصد یہی ہے کہ بندہ اپنی عاجزی کا استحضار کرکے اپنے مولیٰ تعالیٰ سے تعلق جوڑے۔

شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے، وہ ہمیشہ ضرر پہونچانے کے لیے کمر بستہ رہتا ہے، وہ ہر لمحہ خواہ ہم بیدار ہوں یا خواب غفلت میں سو رہے ہوں ضرر پہونچانے سے غافل نہیں ہوتا ہے، ذرا غور کیجیے ایسے خطرناک پوشیدہ دشمن سے ہم کیوں کر محفوظ رہ سکتے ہیں، قربان جائیے اپنے محبوب نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ازلی دشمن سے محفوظ رہنے کے لیے مختلف اوقات کی دعائیں تلقین فرمائی ہیں اور آخرت کے ثواب کا ذخیرہ اس کے ماسوا ہے۔

عزیزم مولانا محمد تبریز عالم صاحب نے اسی بھولے ہوئے سبق کی یاد دہانی اور خفیہ دشمن سے حفاظت کے لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمودہ مختلف اوقات کی دعاؤں کا مجموعہ نہایت درد اور تڑپ اور بڑی دلسوزی کے ساتھ جمع کیا ہے —— از دل خیزد بر دل ریزد۔

ان شاء اللہ مجھے امید ہے کہ عزیز موصوف کی یہ دردمندانہ اور مخلصانہ کوشش ضرور کامیاب ہوگی —— دل کی گہرائی سے میری یہ دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اس کتاب کے فیض کو عام اور تام فرمائے اور موصوف کے لیے اس کو آخرت کا ذخیرہ بنائے، آمین یارب العالمین۔

محمد انصار غفر لہ

خادم دارالعلوم حیدرآباد

۲۵؍جمادی الاولی ۱۴۳۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا کارنامۂ حیات اور سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ نے بھٹکے ہوئے بندوں کو مالک حقیقی جَلّ جَلَالُہ کے قدموں میں لا ڈالا، اور بارگاہ احدیت تک پہنچنے کا ذریعہ بہت مختصر یہ بتلا دیا کہ اللہ کے احکام کی تعمیل کرو اور صرف اسی سے اپنا دکھ درد کہا کرو۔

ترمذی کی حدیث ہے کہ جس شخص کے لیے دعا کے دروازے کھول دیے گئے، اس کے لیے گویا رحمت کے (بہت سے) دروازے کھول دیے گئے، اسی طرح جمع الفوائد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: آؤ میں تمہیں ایسی چیز بتادوں جو تمہیں تمہارے دشمنوں سے بھی نجات دلائے اور تمہاری روزی بھی بڑھائے وہ یہ کہ تم رات دن میں اللہ تعالیٰ سے اپنی اپنی حاجتیں مانگا کرو۔

پھر یہی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دعا کی ترغیب دی، بلکہ ہر موقع پر خود آپ نے بکثرت دعائیں مانگی ہیں، جو اپنی بلاغت اور جامعیت کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا ''اُوتِیتُ جوامعَ الکلم'' زیادہ تر حضرات محدثین نے اپنی کتابوں میں کتاب الدعوات کے عنوان سے آپ کی ان دعاؤں کو جمع کیا ہے، بعد کے علماء نے مستقل دعاؤں کا انتخاب کیا اور مختلف انداز سے اس کو عوام تک پہنچانے کی کوشش کی، تاکہ لوگ اس کو اپنے معمولات میں داخل کر کے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔

اُسی طرح کی ایک کوشش یہ رسالہ بھی ہے، جس کو مفتی محمد تبریز عالم صاحب حلیمی ثم قاسمی سلمہ اللہ تعالیٰ نے ''موجودہ دور کے اندھیرے اور دعائے نبوی کی روشنی'' کے نام سے جمع کیا ہے، جس میں روزمرہ پیش آنے والے حالات سے متعلق چالیس دعاؤں کو بڑی تفصیل اور دلچسپ انداز سے ذکر کیا ہے، ترجمہ کے ساتھ ساتھ حدیث سے حاصل ہونے والے فوائد پر بھی اچھی طرح روشنی ڈالی ہے، میں نے شروع سے اخیر تک پوری کتاب پڑھی ہے، حسب ضرورت مشورہ بھی دیا ہے، دعاگو ہوں اللہ رب العزت عزیز موصوف کی اس کوشش کو قبول عام عطا فرمائے اور اس طرح کی مزید خدمات کا موقع دے کر قبول فرمائے۔ آمین

سعادت علی قاسمی

(مدرسہ عربیہ ریاض العلوم گورینی جون پور)

۲۹ر جمادی الاخریٰ ۱۴۳۸ھ

عرضِ مولف

عبد و معبود کے رشتہ میں استحکام اور دوام کے لیے سب سے مضبوط اور موثر ذریعہ ذکر ہے اور اِس کا سب سے بڑا مظہر اور اعلیٰ نمونہ ''دعا'' ہے، دعائے نبوی در حقیقت ایک نبوی آئینہ ہے، جس میں ہر امتی سرکارِ دو عالم ﷺ کی تمنائیں، آرزوئیں، احساسات و جذبات، آپ کی معصومیت وسادگی، بے تکلفی و بے ساختگی، بارگاہِ الوہیت کے آداب واخلاق، اللہ کی معرفت اور محبت وخشیت، اس کے جلال و جبروت کا استحضار، نظامِ حمدِ باری وشکرِ الٰہی، نظامِ توبہ واستغفار اور نظامِ صبر وشکر، توکل واعتماد اور اظہارِ عبدیت وبندگی کا اعلیٰ نمونہ صاف طور سے دیکھ سکتا ہے۔

اگر چہ امت مرحومہ اِس وقت متعدد امراض کا شکار ہے؛ لیکن امت کا اصل مرض حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس سے رابطۂ ایمان اور رابطۂ محبت کا کمزور پڑ جانا ہے، اِس پس منظر میں دعائے نبوی کی شکل میں گلشنِ سیرت کے چند پھول امت کے سامنے پیش کرنے کی سعی کی جاری ہے، جن میں نورِ نبوت سے ماخوذ روشنی بھی موجود ہے، موجودہ دور کے اندھیرے، اِسی دعائے نبوی کی روشنی سے ختم کیے جاسکتے ہیں، اور اسی سے جلتے سلگتے معاشرے کی اصلاح بھی ممکن ہے، یقین مانیے جس دن یہ اندھیرے ختم ہو جائیں گے عبد و معبود کے رشتہ میں استحکام اسی دن سے شروع ہو جائے گا۔

۱۴۳۵ھ کی بات ہے مسجدِ شیخہ سعید محمد، سلیمان نگر حیدر آباد میں راقم الحروف کو جب ہفتہ واری خطابت کے عنوان سے لوگوں کے سامنے اصلاحی گفتگو کرنے کی سعادت ملی تو راقم نے ''دعائے نبوی کی حکمت اور پیغامِ نبوی'' کے عنوان سے مسلسل کئی ہفتے اِس پر گفتگو کی، اِس سے سامعین بہ شمول راقم الحروف کو بڑا فائدہ ہوا اور لوگوں نے اِس سلسلہ کو سراہا، ان کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے ان فوائد وحِکَم کو کتابی شکل میں شائع کرنے کا داعیہ پیدا ہوا، تحریر کا تفصیلی انداز ممکن ہے دعاؤں کے یاد کرنے میں دشواری کا سبب ہو؛ لیکن محنت کر کے ان دعاؤں کو یاد کرنے کے بعد پیغامِ نبوی اور حکمتِ دعا کا مطالعہ کیا جائے تو یقیناً فائدہ محسوس کیا جائے گا، بہتر ہے کہ اِس کتاب کو گھروں میں اجتماعی طور سے پڑھا اور سنا جائے، منبر ومحراب سے وابستہ دوستوں سے یہ درخواست

بھی ہے کہ وہ ان دعاؤں کو اپنی خطابت کا موضوع بنائیں، یقیناً عوام میں کتاب و سنت کے حوالہ سے بیداری پیدا ہوگی؛ کیوں کہ دعائے نبوی کی اپنی ایک الگ ہی تاثیر ہے۔

پیش نظر کتاب میں روز مرہ پیش آنے والے حالات ومواقع میں پڑھی جانے والی آسان چالیس دعائیں جمع کی گئی ہیں، دعاؤں پر روزِ اول سے اب تک اردو اور عربی میں بے شمار چھوٹی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں، راقم الحروف نے اِس کتاب میں ترجمہ وتشریح کے ساتھ ''دعائے نبوی کی حکمت'' اور ''پیغامِ نبوی'' کا ایک نیا عنوان قائم کیا ہے، متعلقہ مواد کتبِ احادیث اور اکابر کی تحریروں سے ماخوذ ہے، عوام الناس کی سہولت کے لیے دعاؤں کو انگریزی رسم الخط (ROMAN ENGLISH) میں لکھنے کا اہتمام بھی کیا گیا ہے، خالص داعیانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کوشش یہ کی گئی ہے کہ دعائے نبوی کی ان حکمتوں اور اَسرار ورُموز کے ذریعہ ایمان وعمل اور یقین ومحبت میں اضافہ کے ساتھ پائیداری اور استحکام پیدا کیا جائے۔ **الله هو الموفّق.**

یہاں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جن دعاؤں کا ہمیں پابند بنایا ہے، اُن کے مصالح اور حکمتوں کا جاننا ضروری نہیں ہے، وہ دعائیں مصلحتوں کے جانے بغیر بھی موثر ہیں؛ لیکن بقول حضرت تھانویؒ: یہ ضرور ہے کہ بعض طبائع کے لیے اُن کا معلوم ہوجانا احکامِ شرعیہ میں مزید اطمینان پیدا ہونے کے لیے ایک درجہ مُعین ضرور ہے؛ گو اہلِ یقینِ راسخ کو اس کی ضرورت نہیں۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ کتاب میں مذکور خاص خاص مواقع کی دعائیں پڑھتے وقت ہاتھ اٹھانا خلافِ سنت ہے؛ اِس لیے مذکورہ دعائیں صرف زبان سے پڑھی جائیں اور مناسب ہے کہ کسی مفتی یا عالمِ دین کی نگرانی میں یہ دعائیں یاد کی جائیں۔

ان تمام کتابوں کے مولفین ومصنفین اور شارحینِ حدیث کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جن کی کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے، اللہ انھیں اپنی شایانِ شان بدلہ عطا فرمائے اور بطورِ خاص حضرت الاستاذ مولانا سعادت علی قاسمی صاحب زید مجدہم (شیخ الحدیث وصدر المدرسین مدرسہ عربیہ ریاض العلوم گورینی جون پور) کا صمیمِ قلب سے شکریہ ادا کرنا ضروری ہے، جن کی توجہات ودعائیں مولف کے ہر تعلیمی وعلمی سفر میں ساتھ رہتی ہیں اور جنھوں نے کتاب کا پورا مسودہ از اول تا آخر پڑھ کر مفید مشورے دیے اور غلطیوں کی اصلاح فرمائی، فجزاھم اللہ تعالیٰ،

اور اِسی طرح تلمیذِ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، خدا رسیدہ بزرگ، نمونۂ سلف حضرت مولانا محمد انصار علی صاحب دامت برکاتہم (شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد) کا میں بے حد ممنون ہوں، حضرت نے اپنی تدریسی مصروفیات کے باوجود پورا مسودہ مطالعہ کیا اور حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے دعاؤں سے نوازا، اللہ اِن حضرات کے سایہ کو ہمارے سروں پر تادیر قائم رکھے، مولانا محمد بشیر معروفی قاسمی صاحب (دارالعلوم حیدرآباد) کو بھی اللہ جزاءِ خیر عطا فرمائے، موصوف نے کمپوزنگ کے مراحل کو بحسن وخوبی انجام دیا، مولوی سید صدیق احمد قاسمی بنگلوری (متعلم شعبۂ افتاء) کو اللہ تعالیٰ علمِ نافع عطا فرمائے، انھوں نے توجہ سے پروف ریڈنگ کا کام کیا، اِس موقعہ پر اپنے تمام بھائیوں؛ بالخصوص برادرِ مکرم شمشیر عالم صاحب کے لیے دعا گو ہوں، اللہ اِن سب کو دینی ودنیاوی ترقیات سے مالا مال فرمائے، بھائی شمشیر عالم کی حوصلہ افزائی ہی میرے تصنیفی کاموں کے سفر کی راہیں آسان کرتی ہے، اللہ اُن کے دینی جذبے اور حوصلے کو دوام بخشے۔

اِس گنہگار پر اللہ کا بے پایاں فضل ہے کہ اس نے سرکارِ دوعالم ﷺ کی چالیس دعائیں، ان کے ترجمے اور تشریح نقل کرنے کی سعادت بخشی، اور ایک دینی مدرسہ کے طالب علم ہونے کی حیثیت سے راقم الحروف کو اس کام پر بایں معنی فخر ہے کہ اس نے روشن خیالی کے اِس دور میں روشن ضمیری کی ایک مثال پیش کرنے کی کوشش کی ہے، خدا کرے یہ کوشش بہ روزِ محشر مولف کے لیے رحمت ومغفرت کا بہانہ بن جائے۔

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

اخیر میں قارئین سے درخواست ہے کہ مولف کے مرحوم والدین کے لیے- اگر ممکن ہو- مغفرت ورفعِ درجات کے لیے دعا فرمائیں، آنکھیں نم ہیں،؛ اگر آج وہ زندہ ہوتے تو اپنی مخلصانہ سحر گاہی دعاؤں کا ادنیٰ اثر دیکھ کر نہایت مسرور ہوتے اور ان کی خوشی، مولف کے لیے قرار وسکون کا سامان ہوتا(رب ارحمهما كما ربياني صغيرا) یہ دعا ضرور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن وحدیث کی اِس معمولی خدمت کو راقم الحروف کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے، ورنہ سرِ ورق نام کی اشاعت سے کیا فائدہ؟

والحمد لله أولا وآخرا وما توفيقي إلا بالله

محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی (عفا اللہ عنہ)
مقیم حال: دارالعلوم حیدرآباد

۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۸ھ - ۴/ مارچ ۲۰۱۷ء
بروز ہفتہ دس بجے شب

انتساب

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

کے نام

یہ کمالِ رتبۂ مصطفیٰ ☆ بَلَغَ العُلٰی بِکَمَالِہٖ

یہ اثر ہے اُن کے جمال کا ☆ کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ

کسی اِک ادا کی تو بات کیا ☆ حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ

وہ خدا کا جس نے پتہ دیا ☆ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَآلِہٖ

صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) ہر کام سے پہلے ’’بسم اللہ الرحمٰن الرحیم‘‘ پڑھا کیجیے

حدیث: كل أمرِ ذي بالٍ لاَ يبدأ فيه ببسم الله الرحمٰن الرحيم فهو أقطَعُ. (۱)

ترجمہ: ہر اہم کام جو اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع نہ کیا جائے وہ ادھورا اور ناقص رہتا ہے۔

تشریح: اس حدیث کے ذریعہ سرکارِ دو عالم حضور اقدس ﷺ نے ہر مسلمان کو یہ تلقین فرمائی ہے کہ وہ اپنی زندگی کا ہر اہم کام اللہ کے نام سے شروع کرے، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اسلامی معاشرہ اور تہذیب وثقافت کا اٹوٹ حصہ ہے جسے ہر کام سے پہلے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے: صبح کو بستر سے بیدار ہوتے وقت، طہارت خانے میں جاتے وقت، غسل خانے سے نکلتے وقت، کھانا کھانے سے پہلے، پانی پینے سے پہلے، بازار میں جانے سے پہلے، مسجد میں داخل ہونے سے پہلے، مسجد سے نکلتے وقت، کپڑے پہنتے وقت، گاڑی چلاتے وقت، سوار ہوتے وقت، سواری سے اترتے وقت، گھر میں داخل ہوتے وقت، پڑھتے اور لکھتے وقت، تمام اوقات واحوال میں یہ کلمہ ہم سے کہلوایا جارہا ہے، ہر مسلمان کو اِس سنت کی اتباع کرتے ہوئے بسم اللہ سے کام شروع کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے، اگر اِسے اپنے روزمرہ کے معمولات میں شامل کرلیا جائے تو یہ ایک ایسا عمل ہے جس میں محنت اور دشواری کچھ نہیں؛ لیکن ثواب اور نیکیوں میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے گا؛ بلکہ اِس عمل کی برکت سے ہمارے دنیاوی کام بذاتِ خود عبادت بن جائیں گے؛ کیوں کہ بسم اللہ اسلام کی نشانی اور علامت ہے، جس طرح کسی کارخانہ کے تمام محصولات اور سامان پر اس کارخانہ کی علامت ثبت ہوتی ہے اسی طریقہ سے مسلمانوں کے تمام چھوٹے بڑے کاموں پر بسم اللہ کی مہر اور علامت ثبت ہونا چاہیے، ورنہ مسلمانوں کے کاموں کی اِسلامی شناخت نہیں ہو پائے گی۔

تسمیہ سے آغاز کا تاریخی پس منظر

ہر اہم اور بامقصد کام کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا اسلامی تہذیب وتمدن کا حصہ ہے، یہ

(۱) رواہ الخطیب فی الجامع، رقم: ۱۲۰۹، والسبکی فی طبقاتہ عن أبی ھریرۃ: ۱/۱۲ شاملہ

ایک حقیقت ہے کہ جو عمل عند اللہ مقبول ومحبوب ہوتا ہے اس کی تاریخ بھی قدیم ہوتی ہے؛ چناں چہ تسمیہ کے عمل درآمد کی تاریخ جیسا کہ قرآن نے واضح کیا ہے حضرت نوح علیہ السلام کے دور سے تعلق رکھتی ہے، جب حضرت نوح علیہ السلام نے طوفان سے بچاؤ کے لیے، بحکمِ الٰہی کشتی تیار کر لی اور مسلمانوں کو اس میں سوار کر لیا تو کشتی چلانے سے پہلے بحکمِ الٰہی فرمایا:

وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرِهَا وَمُرْسَاهَا إِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْم. (۱)

اور نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ (آؤ) اِس کشتی میں سوار ہو جاؤ اندیشہ مت کرو (کیوں کہ) اِس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا (سب) اللہ ہی کے نام سے ہے بالیقین میرا رب غفور رحیم ہے۔

اِسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا (بلقیس) کو جو تبلیغی خط لکھا تو اس کا آغاز اِسی کلمہ سے کیا گیا ہے قرآن نے اُسے یوں بیان کیا ہے: **انه من سليمان وإنه بسم الله الرحمٰن الرحيم.** (۲)

علامہ فخر الدین الرازیؒ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عیسوی میں بھی اِس بابرکت تسمیہ کا رواج تھا وہ لکھتے ہیں:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک قبر کے پاس سے گذرے، آپ نے دیکھا کہ صاحبِ قبر کو عذاب ہو رہا ہے، جب دوسری مرتبہ گذر ہوا تو دیکھا کہ رحمت کے فرشتے نور کے طبق اُس پر پیش کر رہے ہیں، آپ کو بہت تعجب ہوا نماز پڑھ کر کشفِ حال کے لیے دعا کی؛ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ بتایا کہ اے عیسیٰ! یہ گنہ گار شخص تھا اور اپنی موت کے دن سے میرے عذاب میں مبتلا تھا، انتقال کے وقت اِس کی بیوی حاملہ تھی جس سے بعد میں ایک بچہ پیدا ہوا، اُس کی ماں نے اُسے پالا اور استاذ

---

(۱) ھود،۱۲:۴۱ (۲) النمل، ۲۷:۳۰

کے حوالہ کر دیا جب استاذ نے اُسے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھائی تو مجھے
شرم آئی کہ اس کا باپ قبر میں مبتلائے عذاب رہے اور اس کا فرزند زمین
پر میرے نام کا ذکر کرے (پس میں نے اسے معاف کر دیا) (۱)

اسلام نے بھی اِس سلسلہ کو باقی رکھا اور جناب نبی کریم ﷺ نے مذکورہ حدیث اور اپنے طرز عمل سے ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کو اسلامی تعلیمات کا حصہ قرار دیا، اور یہ بسم اللہ پڑھنا کہیں واجب، کہیں مسنون اور کہیں مستحب قرار پایا، دیکھیے جانور ذبح کرتے وقت بسم اللہ کو فرض قرار دیا گیا ہے، اللہ کا ارشاد ہے: **فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ** (۲) یعنی جس جانور پر اللہ کا نام لیا جاوے اس میں سے کھاؤ، نیز اس کی اہمیت وافادیت کا اندازہ اِس سے بھی ہوتا ہے کہ قرآن کے نزول وافتتاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو کلمات منتخب فرمائے وہ بھی ''تسمیہ'' کے قبیل سے ہے **اقرأ باسم ربک الذي خلق** (۳) یعنی آدابِ قراءت کا پہلا ادب بسم اللہ سے ہی شروع ہوتا ہے، اِسی لیے تو علامہ رازیؒ نے اتنی بڑی بات لکھ دی کہ

جملہ علوم ومعارف چاروں کتابوں میں درج کیے گئے ہیں اور اُن کے
تمام علوم قرآن میں اور قرآن کے تمام علوم سورۃ الفاتحہ میں اور سورۃ
الفاتحہ کے تمام علوم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اور اس کے تمام علوم بائے
بسم اللہ میں۔ (۴)

اِسی لیے کلامِ الٰہی کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوتا ہے، نماز جواُمّ العبادات ہے، جس میں قراءت فرض ہے اُس قراءت سے پہلے بسم اللہ کو مسنون قرار دیا گیا ہے، یہ تسمیہ کی سرسری تاریخ تھی جس سے یہ بات دو دو چار کی طرح بالکل واضح ہے کہ دینی امور ہوں یا دنیاوی معاملات :بہر حال ان کا آغاز بسم اللہ سے ہونا چاہیے، اور جو امور ومعاملات بسم اللہ کے بغیر شروع کیے جائیں، ممکن ہے دنیوی لحاظ سے وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ جائیں اور مطلوبہ نتائج برآمد ہو جائیں؛ لیکن

---

(۱) تفسیر الرازی، الباب الحادی عشر: ۱/۱۵۵ شاملہ (۲) الانعام، ۶: ۱۱۸ (۳) العلق، ۹۶: ۱
(۴) تفسیر الرازی، الباب السابع: ۱/۹۸ شاملہ

اجر وثواب کے اعتبار سے اور حصولِ برکت کے لحاظ سے ناتمام ہی رہیں گے، شروع میں جو حدیث لکھی گئی ہے وہ اِسی روحانی کمال اور نقص کی جانب اشارہ کرتی ہے۔

ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا راز

ہر کام سے پہلے بسم اللہ کو اسلامی ثقافت وتہذیب کا حصہ قرار دیے جانے کی وجہ کیا ہے؟ اِس کے لیے وضو کے تعلق سے ایک اقتباس پڑھیے:

حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں:

اگر وضو محض سب عادت بحالتِ غفلت کیا جاوے اور اس میں اطاعتِ امرِ الٰہی وقربت اِلی اللہ کا خیال نہ ہو تو اس پر ثواب مُرتب نہیں ہوتا؛ اِس لیے وضو باسم اللہ مقرر ہوا؛ تاکہ نماز ونیاز، قربتِ الٰہی وانابت اِلی اللہ کا خیال دل میں پیدا ہو اور انسان حجابِ غفلت سے باہر آوے، یہی وجہ ہے کہ آں حضرت ﷺ فرماتے ہیں **لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ** (۱) یعنی جس نے وضو کرنے میں خدا کا نام نہیں لیا اس کا وضو (مکمل) نہیں ہوتا (گو درست ہو جاتا ہے)۔ (۲)

سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کے بارے میں لکھتے ہیں:

ابتداءِ فاتحہ میں بسم اللہ پڑھنے کا یہ راز ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے واسطے قرآن پڑھنے کے لیے پہلے اپنے پاک نام سے برکت حاصل کرنے کو مقرر فرمایا۔ (۳)

ان دو اقتباس کی بنیاد پر یہ عرض کرنا ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر تسمیہ کا ضروری ہونا در حقیقت "اعترافِ بندگی" کا ذریعہ ہے، اِس کے پیچھے ایک عظیم الشان فلسفہ ہے اور اِس کے ذریعہ ایک عظیم الشان حقیقت اور نظامِ ربوبیت کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے، اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے

(۱) ابن ماجہ، رقم: ۳۹۷ (۲) احکام اسلام عقل کی نظر میں، ص: ۲۶ (۳) احکامِ اسلام..... ص: ۶۱

کہ انسان زندگی کا جو بھی کام کر رہا ہے اس سے پہلے بسم اللہ پڑھ کر وہ یہ اعتراف و اقرار کر رہا ہے کہ رب کائنات کی توفیق اور مدد کے بغیر کوئی کام مکمل نہیں ہو سکتا، انسان کو اس کے ذریعہ اس بات کی دعوت دی جا رہی ہے کہ وہ نظامِ ربوبیت میں غور کرے اور اپنی جبینِ نیاز خم کر دے، اور اس تعلیم کے ذریعہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ہر کام شروع کرتے وقت باشعور ہونا، چیزوں کو پرکھنا اور نیک انجام کی امید کرنا ضروری ہوتا ہے، بسم اللہ کے ذریعہ درحقیقت انھیں مقاصد کی تکمیل کی مشق کرائی جاتی ہے، اسے یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ اللہ کی وحدانیت اور اپنی بندگی کا اقرار کرنے کی عادت بنالے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ کو مذکورہ حدیث کے ذریعہ یہ پیغام دیا ہے کہ وہ اس عمل کے ذریعہ اپنے رب کی رضامندی کا متلاشی رہے، خود مختار اور آزاد مخلوق ہونے کے باوجود وہ اپنے آپ کو غلام اور محتاج سمجھے اور یہ سوچے کہ ہر کام سے پہلے اپنے مولی سے اجازت لینا ضروری ہے، بسم اللہ پڑھ کر وہ اللہ کے نام کے واسطے سے دنیا و آخرت میں اپنے رب کی خوشنودی سے فیض یاب ہونے کی تمنا کرتا رہے اور ہر بامعنی اور نیک کام کے لیے لازمی قابلیت و طاقت کا حاجت مند ہونے کا اظہار کرتا رہے، اس تہذیب میں یہ درس بھی ہے کہ بسم اللہ پڑھنے والا ہمیشہ اپنے آپ کو اپنے رب کی نگرانی میں ہونے کا احساس رکھے، اسی لیے جرم اور گناہ کے دائرے میں آنے والے کاموں کے مرتکب ہوتے وقت بسم اللہ پڑھنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ کام ہی مولی کی مرضی کے خلاف ہے، اس کی تکمیل کی خواہش ایک ناجائز خواہش ہوگی اور اظہارِ عبدیت کے خلاف بات ہوگی؛ پس یہ کہنا بجا ہے کہ بسم اللہ ہر اچھائی کی کنجی اور کلید ہے۔

بسم اللہ پڑھنا محبت اور خشیتِ الٰہی کا ذریعہ

اگر انسان ہر کام سے پہلے مذکورہ بالا فلسفہ پیشِ نظر رکھے تو اس کے دل میں رب ذوالجلال کی محبت پیدا ہوگی اور اس عمل کا دوام اور تسلسل، محبتِ الٰہی میں اضافہ کا سبب ہوگا اور جس دن یہ محبتِ الٰہی انسان کے قلب میں پیدا ہوگئی اس دن سے اس کے لیے دین کے احکام و تعلیمات پر عمل کرنا نہ صرف آسان ہو جائے گا؛ بلکہ عمل آوری کے وقت روحانیت و نورانیت کا احساس بھی ہوگا، اور پھر اس محبتِ الٰہی کا ثمرہ اور نتیجہ خشیتِ باری کی شکل میں ظاہر ہوگا اور اسی خشیت کی وجہ سے

انسان گناہوں سے اپنے آپ کو باز رکھتا ہے یعنی محبتِ الٰہی، امتثالِ اوامر پر آمادہ کرتی ہے اور خشیتِ الٰہی اجتنابِ نواہی کا ذریعہ ہوتی ہے، دنیا اور آخرت میں کامیابی وکامرانی کے لیے یہی دو کام ضروری ہیں، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے وقت اِس مضمون کا استحضار درحقیقت انھیں دونوں کام کی جانب متوجہ کرنے کا ذریعہ ہے۔

ہر انسان پانی پیتا ہے، شریعت نے پانی پینے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیا ہے، کیا ہم نے کبھی سوچا یہ حکم کیوں دیا گیا ہے، اگر ہم بغیر بسم اللہ پڑھے پانی پی لیں تب بھی پیاس بجھ جائے گی؛ لیکن بسم اللہ کی برکت سے ہمیں جو فوائد وثمرات حاصل کرنے کا حکم ہے اس سے ہم محروم ہوجائیں گے، اور روحانی تشنگی باقی رہ جائے گی، اِس بسم اللہ کے ذریعہ بندگانِ خدا اور باغیانِ خدا کا جو فرق بیان کیا گیا ہے، ہمارے بسم اللہ نہ پڑھنے سے وہ فرق مٹ سکتا ہے، پانی کے تعلق سے ایک اقتباس پڑھیے اور ہر کام سے پہلے مذکورہ مضمون کے استحضار کے ساتھ بسم اللہ پڑھنے کی عادت ڈالیے۔

> یہ جو حکم دیا جارہا ہے کہ پانی پینے سے پہلے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھو، اِس کے ذریعہ اِس طرف توجہ دلائی جارہی ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے نظامِ ربوبیت کا کرشمہ ہے اور اس کے ذریعہ یہ اعتراف بھی ہورہا ہے کہ یا اللہ! ہمارے بس میں یہ نہیں تھا کہ ہم یہ پانی پی سکتے، اگر آپ کا بنایا ہوا یہ کارخانۂ ربوبیت نہ ہوتا تو ہم تک یہ پانی کیسے پہنچتا، آپ نے محض اپنے فضل وکرم سے ہم تک یہ پانی پہنچایا اور جب یہ پانی آپ نے ہی پہنچایا ہے تو اے اللہ! ہم آپ ہی سے یہ درخواست اور دعا کرتے ہیں کہ جو پانی ہم پی رہے ہیں، یہ پانی جسم کے اندر جانے کے بعد خیر کا سبب بنے اور کوئی فساد نہ پھیلائے؛ کیوں کہ اگر اس پانی میں بیماریاں اور خرابیاں ہوں گی تو یہ پانی جسم میں فساد مچائے گا؛ اِسی طرح اگر جسم کے اندر کے نظام میں خرابی پیدا ہوجائے مثلاً جگر اپنا کام کرنا

چھوڑ دے تو وہ پانی جسم کے اندر تو جائے گا؛ لیکن اس پانی کو صاف کرنے کا اور گندگی کو باہر پھینکنے کا جو نظام ہے وہ خراب ہو جائے گا؛ اِس لیے ہم پانی پیتے وقت دعا کرتے ہیں کہ اللہ! اِس پانی کا انجام بھی بخیر فرمادے۔(۱)

ایک اور اقتباس پڑھیے اور تسمیہ کے پیغام کو دل میں اتاریے۔

اگر انسان کا یہ شعور بیدار ہو کہ اس کی زبان کو قوتِ گویائی، اس کے کانوں کو قوتِ سماعت، اس کی آنکھوں کو قوتِ دید، اس کے دست و بازو کو قوتِ عمل، اس کے قدموں کو قوتِ نقل و حرکت اور اس کے دماغ کو قوتِ فکر؛ الغرض سب کچھ خدا کی مدد و اعانت کے سبب میسر آیا ہے تو ان ظاہری اور باطنی اعضاء و جوارح میں کوئی عضو بھی رضاءِ الٰہی کے خلاف حرکت میں نہ آئے، ہم سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں اور ہمارے فکر میں جو تمرُّد و انحراف جنم لیتا ہے یہ دراصل اسی شعور و اِدراک کے فُقدان کا نتیجہ ہے، تسمیہ، فی الحقیقت انسان کی فکری و عملی اصلاح کا شاندار ذریعہ ہے، اگر ہر کام شروع کرنے سے پہلے زبان اور دل خدا کا نام لینے اور اس سے مدد طلب کرنے کی طرف راغب ہوں اور یہ ان کی عادت و خصوصیت بن جائے تو نواہی و محرمات سے از خود پرہیز ہونے لگے گا؛ کیوں کہ خدا کی یاد کے ہوتے ہوئے حکمِ خدا کی خلاف ورزی ممکن نہیں رہتی۔(۲)

بسم اللہ کی برکت و تاثیر کے چند واقعات

(۱) ایک مرتبہ قیصرِ روم نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ وہ نا قابلِ برداشت دردِ سر میں مبتلا ہے آپ کوئی علاج بتائیں، حضرت عمرؓ نے ایک ٹوپی بھیجی، جب قیصر وہ ٹوپی پہنتا تھا تو سر درد ختم

(۱) اسلام اور ہماری زندگی: ۱۰/۳۸ (۲) فلسفہ تسمیہ ص: ۲۴

ہوجاتا تھا اور جب ٹوپی سر سے اتار دیتا تھا تو سر درد شروع ہوجاتا تھا، اسے بڑا تعجب ہوا اس نے ٹوپی کھول کر دیکھی تو اس میں ایک کاغذ تھا جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا تھا۔(۱)

(۲) ایک مرتبہ کچھ مجوسیوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اسلام کو سچا مذہب بتاتے ہیں، ہمیں کوئی علامت دکھایئے تو ہم مسلمان ہوجائیں، حضرت خالدؓ نے کہا: زہر لاؤ، زہر لایا گیا انھوں نے وہ زہر اپنے ہاتھ میں لیا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر پورا زہر پی لیا اور انھیں کچھ بھی نہیں ہوا، مجوسیوں نے کہا **ھذا دین حق** یہ برحق دین ہے۔(۲)

بسم اللہ کی جگہ ۷۸۶ لکھنا

آج کل بہت سی تحریروں میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی جگہ ۷۸۶ لکھا ہوا ہوتا ہے، اِس کے بارے میں یاد رکھنا چاہیے کہ اصل سنت کی ادائیگی بسم اللہ پڑھنے اور لکھنے سے ہوتی ہے، ۷۸۶ بسم اللہ کا متبادل نہیں بن سکتا، ہاں بعض تحریروں میں یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ ان کی بے احترامی اور بے ادبی ہوسکتی ہے پس اسے بے ادبی سے بچانے کے لیے بعض حضرات نے ۷۸۶ لکھنا شروع کردیا؛ لیکن اِس عدد کا ثبوت احادیث وآثار میں نہیں ملتا؛ البتہ کوئی شخص اپنی تحریر کے آغاز میں زبان سے بسم اللہ پڑھ کر ۷۸۶ لکھ دے؛ تاکہ وہ علامت بن جائے کہ لکھنے والے نے اپنی تحریر کو بسم اللہ سے شروع کیا ہے تو گنجائش ہوسکتی ہے اور زبان سے بسم اللہ نہ پڑھے اور صرف ۷۸۶ لکھ دے تو ادائے سنت اور حصولِ برکت کے لیے کافی نہیں، مفتی تقی عثمانی صاحب زید مجدہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

> خطوط کی ابتداء میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' لکھنا مسنون ہے، اور یہ خود قرآنِ کریم سے ثابت ہے کہ اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط بسم اللہ سے شروع ہوتا ہے، یہ بات کسی مستند کتاب میں نظر نہیں آئی کہ بسم اللہ کی جگہ ۷۸۶ کا عدد کب سے لکھا جانا شروع ہوا؛ لیکن اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ بسم اللہ لکھا ہوا کاغذ کسی بے حرمتی کی جگہ استعمال ہوگا تو اِس

---

(۱) تفسیر الرازی ۱: ۱۵۵ (۲) حوالہ سابق

کی بے ادبی ہوگی؛ لہٰذا اگر کوئی شخص اِس خیال سے زبان سے بسم اللہ پڑھ کر یہ عدد لکھ دے تو سنت تو ادا ہو جائے گی؛ لیکن افضل یہی معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ صراحۃً لکھی جائے؛ اِس لیے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط بھی کفار کے پاس گیا اور آں حضرت ﷺ نے کافر بادشاہوں کو جو خطوط روانہ فرمائے ان میں بھی بسم اللہ درج تھی، ظاہر ہے کہ کفار کے پاس بے حرمتی کا احتمال مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ تھا، مگر اس کی وجہ سے بسم اللہ ترک نہیں کیا گیا۔(۱)

الحاصل ہم جب بھی کوئی اہم اور جائز کام شروع کریں تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کریں اور مذکورہ مضمون ذہن میں مستحضر رکھیں؛ تاکہ اِس بابرکت کلمہ کی تاثیر، انوار و برکات اور نورانیت وروحانیت کو اپنے دامنِ مراد میں سمیٹ سکیں اور اپنی بندگی کا ثبوت دے سکیں، اِس تسمیہ کو پڑھنے والے بہت ہیں؛ لیکن سمجھ کر پڑھنے والے کم ہیں، غفلت کے ساتھ پڑھنا الگ چیز ہے اور مفہوم ومعنی سمجھ کر پڑھنا دیگر بات ہے، اللہ ہمیں توفیق دے۔

---

(۱) فتاویٰ عثمانی: ۱/۱۱۴

(۲) سو کر اٹھنے کی دعا

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب (صبح کے وقت) بیدار ہوتے تو یہ (دعا) پڑھتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ.(۱)

ALHAMDU,LILLAHI,LLAZEE,AHYANAA,BA'DA,
MAA,AMATANAA,WA,ILAIHI,NNUSHOOR.

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں موت کے بعد دوبارہ زندگی عطا فرمائی اور (حقیقت میں) اسی کی طرف زندہ ہو کر جانا ہے۔

پیغام: قرآن مجید کی آیت **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ** (۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بنی آدم کا مطلبِ اصلی اپنے خالق و مالک کی اطاعت وعبادت ہے، عزیمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ہر آن اپنے مالک کی اطاعت میں لگا رہے؛ لیکن دنیا میں زندگی گذارنے کے لیے دیگر کام مثلاً کسبِ معاش، کھانا پینا، سونا اور آرام کرنا، تعلیم وتربیت وغیرہ بھی ضروری ہیں؛ اِس لیے ان مواقع میں انسان کو غفلت سے بچانے کے لیے یا غفلت کی تلافی کے لیے، سرکارِ دوعالم رسول اللہ ﷺ نے اَدعیہ واَذکار کا نظام قائم فرمایا ہے اور ہر موقع کی دعائیں تلقین فرمائی ہیں اور خود اُن پر عمل کیا ہے؛ تاکہ انسان کی ہر سانس ذکرِ الٰہی میں شمار ہو؛ کیوں کہ ذکرِ الٰہی، روحِ انسانی کی روح ہے۔

سونے والا مُردے کی طرح دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر ہوتا ہے، نیند کو موت سے بہت مشابہت ہے یعنی نیند، بیداری اور موت کے درمیان ایک حالت ہے جس میں انسان اپنے رب کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے؛ اِس لیے سرکارِ دوعالم ﷺ نے تاکید کے ساتھ ہدایت فرمائی کہ جب سونے لگو تو اس سے پہلے اہتمام سے اللہ کو یاد کرو، گناہوں سے معافی مانگو اور جب سو کر اٹھو تو دھیان

---

(۱) بخاری، رقم: ۶۳۱۲ — الذاریات، ۵۱: ۵۶

اور اہتمام سے اپنے رب کو یاد کرو؛ تاکہ تمھارا شمار ذاکرین میں ہو، غافلین میں نہ ہو۔

ذرا سوچیے! جب ایک شخص صبح بیدار ہوتے ہی ہر کام سے پہلے، مذکورہ دعا پڑھے گا تو یقینی بات ہے کہ اس کا تعلق اپنے رب سے مربوط ہوجائے گا، اب اگر اس نے روزانہ کا یہ معمول بنالیا تو وہ اپنی پوری زندگی میں برکت ورحمت کے حوالہ سے محروم نہیں ہوگا، یہ ہوسکتا ہے کہ اس کی جیب میں روپے پیسے نہ ہوں؛ لیکن اس کا دل غریبی میں بھی امیری کے مزے لے گا، ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم اِس دعا کا اہتمام کریں اپنے بچوں اور گھر کی مستورات کو اہتمام کی تاکید کریں اور اِس دعا کا ترجمہ اور پیغام پڑھ کر اس میں غور وتدبر کریں۔

پیغامِ دعائے نبوی

۱- اِس دعا میں ایک طرف تو اس بات پر شکر ادا ہو رہا ہے کہ موت کے بعد دوبارہ زندگی مل گئی؛ کیوں کہ ہوسکتا تھا کہ سوتے سوتے مرجاتا جیسے بہت سے لوگ سوتے سوتے مرجاتے ہیں؛ لیکن اے اللہ! آپ نے ہمیں دوبارہ زندگی عطا فرمائی آپ کا شکریہ، دوسری طرف اِس دعا میں اِس بات کا استحضار ہو رہا ہے کہ یہ زندگی جو دوبارہ مل گئی ہے ہمیشہ کے لیے نہیں ہے؛ بلکہ ایک دن مجھے ضرور اللہ تعالیٰ کے پاس ہی جانا ہے۔(۱)

۲- چوں کہ نیند میں بہت کچھ مشابہت موت کی ہے؛ اِس لیے اِس دعا میں نیند کو مرنے اور بیدار ہونے کو زندہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اِس طرح روزمرہ کے سونے جاگنے کو حیات بعد الموت کی یاددہانی اور اس کی تیاری کی فکر کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔(۲)

۳- دن کی روشنی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، اگر رات کا اندھیرا ختم نہ ہوتا، چھایا ہی رہتا تو کیا ہمارے بس میں تھا کہ ہم روشنی نکال لاتے، اللہ کے سوا کون ہے جو اِس پر قادر ہو؟ اے اللہ! یہ صبح آپ کے تخلیق کردہ نظام کے تحت ہو رہی ہے۔(آپ کا شکریہ)(۳)

---

(۱) اسلام اور ہماری زندگی: ۸۹/۱۰

(۲) معارف الحدیث: ۳۶/۵

(۳) اسلام اور ہماری زندگی: ۹۲/۱۰

۴- یہ دعا اظہارِ بندگی کے جذبات سے بھرپور ہے، صبح صبح اِس دعا کے ذریعہ اللہ کے حضور میں عبدیت و نیازمندی اور اظہارِ عاجزی و بے بسی کی مشق کرائی جارہی ہے اور یہی وہ مقام ہے جس کی وجہ سے انسان رحمتِ الٰہی کا مستحق اور امیدوار ہوتا ہے، یقین مانیے صبح کو اِس دعا کا اہتمام اور اِس کے مضمون میں غور وفکر کی توفیق اِس بات کی علامت ہے کہ اللہ کی خاص نظرِ عنایت وکرم اس کی طرف متوجہ ہے۔

لمحۂ فکریہ

سونا اور سوکر بیدار ہونا روزانہ کا عمل ہے؛ لیکن کتنے ہی ہمارے مسلمان بھائی ایسے ہیں جو بیداری کے وقت اِس دعا کا اہتمام نہیں کر پاتے، ہمارے بہت سے ایسے بھائی ہیں جنھیں مذکورہ دعا یاد ہی نہیں ہے؛ پس ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم مذکورہ دعا یاد کریں اور پڑھنے کا معمول بنائیں، والدین اپنے بچوں کو بیدار کریں تو انھیں اِس دعا کی تلقین کریں؛ تاکہ وہ شعور کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی اِس کے عادی بن جائیں، یاد کرنے اور اُس پر عمل کرنے کا آسان طریقہ یہ بھی ہے کہ اپنے بیڈروم کے اس حصہ میں مذکورہ دعا لکھ کر چسپاں کردیں جہاں بیدار ہوتے ہی نظر پڑتی ہے، جب آپ ایمان ویقین کے ساتھ اِس پر عمل شروع کریں گے تو دل میں خدا اور اس کے رسول کی محبت پیدا ہوگی، عبادات میں طبیعت لگے گی، گناہوں سے نفرت پیدا ہوگی اور آپ کو یہ احساس ہوگا کہ آپ ایک مسلمانِ محض نہیں؛ بلکہ ''کامل مسلمان'' کی زندگی بسر کررہے ہیں اور اسلام آپ سے یہی چاہتا ہے، آپ کیا چاہتے ہیں؟

(۳) بیت الخلاء میں داخل ہونے کی دعا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلاء جانے کا ارادہ فرماتے تھے تو (یہ دعا) پڑھتے تھے

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ.(۱)

ALLAHUMMA, INNEE, AOOZU BIKA, MINALKHUBUSI WALKHABA,ES

ترجمہ: اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبیثوں سے اور خبیثنوں سے۔(۲)

تشریح: قضائے حاجت انسان کی فطری ضرورت ہے، بیدار ہونے کے بعد عام طور سے انسان کو اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے بیت الخلاء جانے کی ضرورت پڑتی ہے، اِس ضرورت کو کیسے پورا کیا جائے، اسلام میں اِس کی مکمل رہنمائی موجود ہے، ابوداؤدؒ نے اپنی حدیث کی کتاب سنن ابی داؤد میں تقریباً پچیس ابواب منعقد فرمائے ہیں اور اِن سب میں آدابِ خلاء یعنی پیشاب و پاخانہ کے طور طریقے بیان کیے ہیں، ہماری شریعت کتنی جامع اور مکمل شریعت ہے کہ اِس میں استنجاء جیسی معمولی چیز کے لیے اِس قدر آداب ہیں اور اِسی لیے اسلام کو دینِ فطرت بھی کہتے ہیں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ (بعض مشرکین کی طرف سے استہزاء اور طنز کے طور پر) اُن سے کہا گیا کہ تمھارے پیغمبر نے تم لوگوں کو ساری ہی باتیں سکھائی ہیں، یہاں تک کہ پاخانہ کرنے کا طریقہ بھی؟ حضرت سلمان فارسیؓ نے اُن سے کہا: ہاں! بے شک انھوں نے ہمیں منع فرمایا ہے کہ پاخانہ و پیشاب کے وقت ہم قبلہ کی طرف رخ کریں یا یہ کہ ہم داہنے ہاتھ سے استنجاء کریں یا یہ کہ ہم استنجے میں تین پتھروں سے کم استعمال کریں یا یہ کہ ہم کسی چوپائے کے گوبر اور لید یا ہڈی سے استنجاء کریں(۳)

(۱) یک روایت میں بسم اللہ کا تذکرہ ہے؛ اِس لیے مذکورہ دعا کے شروع میں بسم اللہ بھی پڑھنا چاہیے

(۲) مسلم، رقم:۳۷۵-ترمذی، رقم:۶۰۶ (۳) مسلم، رقم:۲۶۲

حضرت سلمانؓ کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ یہ کوئی قابل استہزاء بات نہیں ہے؛ بلکہ یہ اس مذہب کی جامعیت کی دلیل ہے، اور بلاشبہ وہ خاص وقت ایسا ہوتا ہے کہ اُس وقت اللہ کا نام لینا اور اُس سے دعا کرنا بے ادبی کی بات ہوگی، اِس لیے رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ جب کوئی بندہ قضائے حاجت کو جائے تو مشغول ہونے سے پہلے مذکورہ دعا پڑھے۔

چند مسائل

۱- بیت الخلاء جاتے وقت اور نکلتے وقت حدیثوں میں جو دعائیں آئی ہیں وہ باہر پڑھ کر بیت الخلاء میں جانا چاہیے اور بعد کی دعا باہر نکل کر پڑھنی چاہیے، اندر جاتے وقت پہلے بایاں پاؤں اور نکلتے وقت پہلے دایاں پاؤں بڑھانا چاہیے، اور کھلی جگہ مثلاً: جنگل وغیرہ میں قضائے حاجت کے لیے جائیں تو ستر کھولنے سے پہلے اور ستر ڈھانکنے کے بعد دعائیں پڑھنی چاہییں۔

۲- اگر کوئی شخص باہر دعا پڑھنا بھول جائے اور اندر جانے کے بعد یاد آئے تو اگر بیت الخلاء صاف ستھرا ہے جیسے فلش: جہاں بالفعل گندگی نہیں ہوتی تو وہ جنگل کے حکم میں ہے، ستر کھولنے سے پہلے دعا پڑھ سکتا ہے اور بعد کی دعا باہر نکل کر پڑھنی چاہیے؛ کیوں کہ استنجے کے بعد بیت الخلاء میں بدبو ہوگی۔

۳- اگر بیت الخلاء میں بالفعل گندگی ہو یا صفائی نہ ہونے کی وجہ سے بدبو ہو تو دعا دل میں پڑھے، زبان سے نہ پڑھے؛ کیوں کہ گندگی اور بدبو کے قریب اللہ کا ذکر کرنا مکروہ ہے۔

۴- ایسا واش روم جس میں کموڈ، واش بیسن اور غسل ٹب ایک جگہ پر ہوں تو یہ بیت الخلاء کے حکم میں ہے ایسے واش روم میں داخل ہونے سے پہلے دعا پڑھنی چاہیے اور قضائے حاجت سے فارغ ہونے کے بعد اگر وضو کرنا ہے تو وضو کی ابتداء اور درمیان کی دعائیں دل میں پڑھیں، زبان سے کچھ نہ پڑھیں اور باہر نکل کر بیت الخلاء سے نکلنے اور وضو کے بعد کی دعائیں پڑھیں؛ البتہ اگر واش روم میں ڈھکن والا کموڈ لگا ہوا ہے اور وہ بند بھی ہے اور صفائی کا بھی خوب اہتمام کیا ہوا ہو تو پھر بوقتِ وضو دعائیں زبان سے پڑھ سکتے ہیں۔

۵- قضائے حاجت کے وقت اِس طرح بیٹھنا چاہیے کہ قبلے کی طرف نہ منھ ہو اور نہ پیٹھ ورنہ قبلہ کا تقدُّس پامال ہوگا۔

۶- استنجے کی جو دعائیں منقول ہیں وہ چھوٹے بڑے دونوں استنجوں کے لیے عام ہیں، لوگ بڑے استنجے میں اُن کا اہتمام کرتے ہیں؛ مگر چھوٹے استنجے کے وقت اُن دعاؤں کا اہتمام نہیں کرتے یہ ٹھیک نہیں؛ بلکہ دونوں صورت میں پڑھنا چاہیے؛ کیوں کہ ستر دونوں استنجوں میں کھلتا ہے۔(کتبِ فقہ)

بیت الخلاء کی دعا کی حکمت و پیغام

۱- جنات ہم کو دیکھتے ہیں اگر چہ ہم اُن کو نہیں دیکھتے اور جب شرارت کا کوئی موقع آتا ہے تو اس کو شیاطین ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، اُن کی شرارت سے بچنے کے لیے یہ دعا تلقین کی گئی، ایک حدیث (ترمذی، رقم:۶۰۶) میں ہے کہ جب انسان بسم اللہ پڑھ کر بیت الخلاء میں جاتا ہے تو شیاطین کو انسان کی شرم گاہ نظر نہیں آتی؛ اس لیے ان کے لیے کھلواڑ کرنا ممکن نہیں ہوتا؛ اِس لیے بہتر ہے کہ قضائے حاجت کے لیے جانے والا یوں دعا پڑھے۔

بسم اللّٰہ اللّٰھم إنّي أعُوْذُ بِکَ مِنَ الخُبُثِ والخَبائِثِ. (۱)

۲- جس طرح مکھیاں اور دوسرے غلاظت پسند کیڑے مکوڑے غلاظت پر گرتے ہیں اِسی طرح خبیث شیاطین اور بعض دوسری موذی مخلوقات غلاظت کے مقامات سے خاص دلچسپی اور مناسبت رکھتے ہیں؛ اِس لیے رسول اللہ ﷺ نے اِن مقامات میں جانے کے وقت کے لیے یہ دعا فرمائی اور خود رسول اللہ ﷺ کا معمول بھی تھا کہ بیت الخلاء جانے کے وقت دعا کرتے۔(۲)

۳- روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیاطین جسمانی طور پر بھی انسان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور روحانی طور پر بھی، جسمانی نقصان یہ پہنچا سکتے ہیں کہ تمھیں ظاہری گندگی میں ملوث کردیں اور اس کے نتیجے میں تمھارے کپڑے اور جسم ناپاک ہوجائیں اور بعض اوقات جسمانی

(۱) تحفۃ الألمعي: ۱/۲۰۱- الاذکار: ۱/۲۵، شاملہ (۲) معارف الحدیث: ۵/۱۳۲

بیماری میں مبتلا کر دیتے ہیں؛ چناں چہ تاریخ میں بعض ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ شیاطین نے اُن گندے مقامات پر باقاعدہ کسی انسان پر حملہ کیا اور بالآخر اُس کو موت کے منہ میں پہنچادیا، بعض علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بیماری کے جراثیم شیاطین ہی کا ایک حصہ ہوتے ہیں؛ لہٰذا اِن مقامات پر انسان کی صحت کو بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔

روحانی نقصان یہ ہے کہ اِن مقامات پر انسان کی شرم گاہ اور ستر کھلی ہوتی ہے، اُس وقت شیطان انسان کے دل میں فاسد خیالات پیدا کرتا ہے، غلط قسم کے خیالات، خواہشات اور غلط قسم کی آرزوئیں پیدا کرتا ہے جس کی وجہ سے انسان کے سفلی جذبات، سفلی خواہشات زیادہ زور دکھاتے ہیں، اگر اللہ کی پناہ شاملِ حال نہ ہو تو انسان ان مقامات پر گناہوں کا بھی ارتکاب کر لیتا ہے۔ (۱)

۴- ایک کامل مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اس کی زبان ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہے؛ لیکن نجاست اور گندگی کی جگہ میں ذکر کرنا بے ادبی اور بے احترامی کی بات ہوگی، معلوم ہوا کہ بیت الخلاء میں جانے کی وجہ سے اللہ کے ذکر میں اِنقطاع پیدا ہوگا؛ اِس لیے اِس موقع پر دعا پڑھنے کی تعلیم دی گئی؛ تا کہ مسلمان کا رابطہ اللہ رب العزت سے جڑا رہے، اب ظاہر ہے کہ انسان اگر اِس حالت میں بھی اللہ کے ساتھ رابطہ قائم رکھے تو یقیناً وہ وہاں پر گناہوں سے محفوظ رہے گا، اور اگر اِس طرح پوری زندگی میں اِس کا خیال رکھے گا تو اُس کی زندگی سنت و شریعت کے عین مطابق ہوگی، اس کی دنیا و آخرت سنور جائے گی۔ (۲)

۵- ذکرُ اللہ، شیاطین سے بچنے کا ذریعہ ہے جس قلب میں اللہ کا ذکر سما جائے گا وہاں پر شیاطین کا تصرف زیادہ نہیں ہوگا، ترمذی شریف کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر کی مثال ایک محفوظ و مضبوط قلعہ کی سی ہے جس طرح آدمی دشمنوں اور ڈاکوؤں کے تعاقب سے ایک مضبوط قلعہ کے ذریعہ سے بسہولت بچ سکتا ہے اسی طرح شیاطین کے اثرات سے ذکر کے ذریعہ ہی بچ

---

(۱) اسلام اور ہماری زندگی: ۱۰/۹۵

(۲) مرقاۃ المفاتیح: ۱/۵/۳۷ شاملہ

سکتا ہے؛ ورنہ یہ کسی کو بخشتے نہیں۔ (۱)

۶- بیت الخلا جانا ہماری مجبوری ہے، اللہ تعالیٰ اِس موقع پر بھی ہماری آزمائش فرماتے ہیں کہ ہم اللہ کو یاد رکھتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں۔

لمحۂ فکریہ

اِس ترقی یافتہ دور میں مکانات اور بلڈنگیں نہایت عمدہ، خوب صورت بن رہی ہیں، مکانات کی زینت، نقاشی، رنگ وروغن پر کروڑوں روپے خرچ ہوتے ہیں، بیت الخلاؤں اور ٹوائیلٹس کو بھی صاف ستھرا اور عمدہ بنایا جارہا ہے، اسلام اِس سے منع نہیں کرتا؛ لیکن تعمیر و ترقی کے اِس دور میں مسلمانوں کی زندگیوں سے مذکورہ دعا غائب ہوگئی، نوجوانوں اور عورتوں کا بہت بڑا طبقہ اِس دعا سے غافل ہے، ضرورت اِس بات کی ہے کہ ہم تمام مسلمان اِس دعا کا اہتمام کریں اور دعا پڑھتے وقت اِس دعا کی حکمت اور پیغام کو ذہنوں میں مستحضر رکھیں، زندگی سکون سے گذرے گی؛ کیوں کہ اصل سکون واطمینان اللہ کے ذکر اور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کی پیروی میں مضمر ہے، اگر دعا یاد نہیں تو بیت الخلاؤں کے دروازوں پر لکھ کر چپکا دیں؛ تاکہ بیت الخلاء جاتے وقت دعا یاد آجائے، ایک مفید اقتباس پڑھیے۔

> آج کی دنیا میں جس کو دیکھو مسائل کا شکار ہے جانی، سماجی یا معاشی پریشانی کا شکار ہے، سکون نام کی چیز ہماری زندگی سے نہ جانے کہاں گئی، وجہ کیا ہے آخر کہ ہم جو نبی کریم ﷺ کے امتی ہیں، اتنے مصائب میں گھرے ہوئے ہیں، ذرا سا غور کریں تو وجہ بالکل سامنے ہی ہے، ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں زندگی گذارنے کا ایک ڈھنگ دیا ہے، ایک طریقہ دیا ہے، ہم اگر زندگی کے ہر قدم پر نبی کریم ﷺ کی سنتوں کا اہتمام کریں تو بڑی بڑی پریشانیوں سے بچ سکتے ہیں...... انسان کی

---

(۱) الدر المنضود: ۱/۹۱

۹۰ فیصد روحانی اور ۵۰ فیصد جسمانی بیماریوں کا تعلق صرف بیت الخلاء یعنی واش روم سے ہے، ایک چھوٹی سی دعا کو چھوڑا اور کتنی بیماریوں نے ہمارا گھر دیکھ لیا، جراثیم، جرم تھیوری وغیرہ یہ سب شیطان کے ہی نظام ہیں ہر گندی جگہ زیادہ جراثیم ہوتے ہیں، جنات اور شیاطین وہاں رہتے ہیں، اب چاہے اس بیت الخلاء کو آپ جتنا سجالو یہ ظاہری نظام ہی ہے، اس کے لیے نبی کریم ﷺ کی دی ہوئی دعا کو پڑھ کر جانے میں ہی عافیت ہے، بیت الخلاء جانا ہماری مجبوری ہے؛ مگر اللہ جل شانہ اِس موقع پر بھی ہماری ذمہ داری لیتے ہیں۔

أعـــوذ بک کا مطلب ہے پناہ میں آتا ہوں یعنی اللہ کے سپرد اپنے آپ کو کرتا ہوں، اب جب بندہ اللہ کے سپرد اپنے آپ کو کردے تو اللہ پاک سے بڑا محافظ بھلا کون ہے؟ ہم نے بیت الخلاء کو ٹائلوں سے مزین کرلیا اور پہلو میں سجالیا اور بے فکر ہوگئے، یہاں کچھ لوگوں نے تو مغرب کی اندھی تقلید میں بیت الخلاء کو آرام گاہ بناڈالا، جتنے نفسیاتی امراض کے مریض مغربی ممالک میں ہیں اور کہیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو اِس دعا کو سبِ موقع پڑھنے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔(۱)

---

(۱) Hamariweb.com مضمون: بیت الخلاء بیماریوں کی آماجگاہ

(۴) بیت الخلاء سے باہر نکلنے کی دعا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلاء سے باہر نکلتے تو یہ دعا پڑھتے۔

غُفْرَانَکَ اے اللہ میں تیری مغفرت چاہتا ہوں۔(۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو یہ دعا(۲) پڑھتے تھے۔

الحمدُ لله الَّذِيْ أَذْهَبَ عَنِّيْ الأَذَى وعَافَانِي. (۳)

GHUFRANAKA, ALHAMDULILLAHILLAZEE,
AZHABA ANNIL, AZAA, WA, AA'FAANEE

ترجمہ: حمد وشکر اُس اللہ کے لیے جس نے میرے اندر سے گندگی اور تکلیف والی چیز دور فرمادی اور مجھے عافیت وراحت دی۔

تشریح: جب انسان فراغت کے بعد بیت الخلاء سے باہر نکلنے کا ارداہ کرے تو اُس وقت سرکارِ دو عالم ﷺ نے دوسری دعا تلقین فرمائی اور دوسرا ادب بتایا ہے کہ جب باہر نکلنے لگو تو پہلے دایاں پاؤں باہر نکالو اور مذکورہ دعا پڑھو: اِس موقع پر دعا پڑھنے کی تلقین درحقیقت یہ بتانا ہے کہ انسان کے لئے ہمیشہ اپنے رب اور خالق ومالک کو یاد رکھنا نہ صرف ضروری ہے؛ بلکہ یہی اس کی تخلیق کا مقصد بھی ہے، آخر انسان؛ بالخصوص مسلمانوں میں اور جانوروں؛ بالخصوص غیر مسلموں میں کچھ تو مابہ الامتیاز

---

(۱) ترمذی، رقم: ۷

(۲) ترمذی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت ﷺ بیت الخلاء سے نکلتے وقت "غفرانک" پڑھتے تھے، اور ابن ماجہ وغیرہ کی روایتوں میں الحمد لله الذي أذهب عني الأذى وعافاني کے الفاظ آئے ہیں، دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ کبھی آپ ﷺ پہلی دعا پڑھتے تھے اور کبھی دوسری، محدثین لکھتے ہیں کہ دونوں کو جمع کر لینا بہتر ہے، اسی لیے دعاؤں کی اردو کتابوں میں یہ دعا یک ساتھ لکھی ہوئی ہے یعنی غفرانک الحمد لله الذي أذهب عني الأذى وعافاني

(۳) ابن ماجہ، رقم: ۳۰۱

ہونا چاہیے، مذکورہ موقع پر دعا کی تعلیم اسلام کی جامعیت اور اس کے سراپا مہذب مذہب ہونے کی واضح دلیل ہے، کیا کوئی اور مذہب بھی ہے جس میں ایسی جامع تعلیمات وتہذیب کی تلقین ہو؟

مذکورہ دعا کی حکمت اور پیغام

(۱) دعا کا آغاز **غفرانک** سے ہو رہا ہے جس کا مطلب ہے اے پروردگار عالم! میں آپ سے مغفرت اور بخشش مانگتا ہوں، فطری طور سے یہ سوال پیدا ہوگا کہ اِس موقع پر بظاہر کسی گناہ کا ارتکاب تو نہیں ہوا ہے پھر کس چیز سے مغفرت مانگتا ہوں، علماء وفقہاء نے اِس کے مختلف جوابات لکھے ہیں، آپ بھی پڑھیں، ایمان میں اضافہ ہوگا۔

۱- اِس موقع پر دو باتوں سے مغفرت مانگی گئی ہے: ایک اِس بات سے کہ اِس وقت میں جس حالت میں تھا، ہوسکتا ہے کہ مجھ سے کوئی غلط عمل سرزد ہوگیا ہو، اُس سے مغفرت مانگتا ہوں، دوسری بات یہ کہ اے اللہ! آپ نے اپنے فضل وکرم سے مجھ پر جتنے انعامات فرمائے ہیں، میں اُن انعامات پر شکر کا حق ادا نہیں کر پایا: اب ایک نعمت اور مجھے حاصل ہوگئی ہے؛ کیوں کہ جسم سے نجاست کا نکل جانا یہ اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا انعام ہے کہ انسان کی زندگی کا دار ومدار اِس پر ہے، اب اِس وقت اے اللہ! آپ نے جو یہ نعمت عطا فرمائی ہے، میں اس نعمت کے شکر کا حق ادا نہیں کرسکتا، اِس پر میں آپ سے پہلے ہی مغفرت مانگتا ہوں۔(۱)

۲- حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ذکر فرماتے رہتے تھے؛ لیکن بیت الخلاء میں ذکرِ لسانی کا سلسلہ منقطع رہتا تھا، اِس انقطاعِ ذکرِ لسانی پر آپ نے استغفار فرمایا۔(۲)

۳- ایک جواب حضرت گنگوہیؒ (م:۱۳۲۳ھ) نے یہ دیا ہے کہ قضائے حاجت کے وقت انسان اپنی نجاستوں کا مشاہدہ کرتا ہے، اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اُن ظاہری نجاستوں کو دیکھ کر

---

(۱) اسلام اور ہماری زندگی: ۱۰/۹۶

(۲) ہم ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول نہیں رہتے، یہ ہماری کوتاہی شمار ہوگی، گویا اِس دعا میں: یک پیغام یہ بھی ہے کہ ہمیں ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنا چاہیے اور بیت الخلاء میں انقطاعِ ذکرِ لسانی پر معافی مانگنی چاہیے، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہی کامیابی وکامرانی اور اسلامی زندگی کی فلاح وبہبود کی کنجی ہے۔

انسان کو اپنی باطنی نجاستوں (نجاست قلبیہ یعنی گناہ) کا استحضار کرنا چاہیے اور ظاہر ہے کہ یہ استحضار، استغفار کا مُوجِب ہوگا؛ اِس لیے "غفرانک" کہنے کی تعلیم دی گئی۔(۱)

۴- قضائے حاجت سے فراغ کا وقت نعمتِ غذا کی تکمیل کا وقت ہے، اول اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی نعمت عطا فرمائی پھر اُس کو سہولت کے ساتھ حلق سے نیچے اتارا ورنہ بعض مرتبہ پھندہ بھی لگ جاتا ہے پھر اس کے بعد معدہ کا اس غذا کو قبول کرنا اور اُس کا ہضم ہونا اور ہضم ہونے کے بعد کارآمد اجزاء کا جُزوِ بدن بننا اور سب سے اخیر میں فُضلہ کا عافیت کے ساتھ جسم کے اندر سے باہر آجانا جو آخری مرحلہ ہے؛ غرضیکہ یہ نعمتِ غذا کی تکمیل کا وقت ہے جس کا حق اور شکر ہم سے ادا نہیں ہوسکتا اِس تقصیر (کوتاہی) پر آپ نے امت کو استغفار کی تعلیم فرمائی۔(۲)

۵- طلبِ مغفرت کے لیے پہلے گناہ کا ہونا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ جس طرح نیکی کی نورانیت قلب پر اثر کرتی ہے اس طرح گناہ کے میل اور کدورت بھی قلب پر اثر کرتی ہے، طلبِ مغفرت سے غرض یہ ہے کہ جو کدورت اور میل گناہ کی وجہ سے قلب پر جم گئی ہے اس کا ازالہ کیا جائے......لہٰذا قضائے حاجت کی وجہ سے ذکر سے محرومی کا جرم غیر اختیاری ہونے کے سبب یقیناً معاف ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے روحانی ترقی میں جو کمزوری، سستی اور پیچھے رہ جانا ہوا ہے، طلبِ مغفرت سے اس کا ازالہ مقصود ہے۔(۳)

۶- انبیاء کے علاوہ کوئی فرد یا جماعت گناہوں سے محفوظ نہیں ہے، موجودہ دور بددینی، دین سے دوری اور اسلامی تہذیب واخلاق سے عاری ہے، اِس دور میں تو گناہوں کی کثرت ہے، سرکارِ دوعالم ﷺ نے قضائے حاجت کے بعد مذکورہ مغفرت کے ذریعہ اپنی امت کو یہ تعلیم دی کہ تمھارا نبی گناہوں سے پاک صاف ہے، اس کے اگلے اور پچھلے سارے گناہوں کی بخشش کا اعلان ہوچکا ہے تب بھی وہ مغفرت الٰہی کا طالب ہے؛ پس تمھیں طلبِ مغفرت کی کتنی ضرورت ہونی چاہیے،

---

(۱) درسِ ترمذی: ۱/۱۸۰

(۲) بندہ اپنے آپ کو عاجز اور لاچار سمجھ کر خدا تعالیٰ کے سامنے گڑگڑائے، یہ اعترافِ تقصیر کہلاتا ہے اور اعترافِ تقصیر، اللہ کے نزدیک شکر کی حقیقت ہے، اعترافِ عجز عن الشکر، شکر کہلاتا ہے۔(الدر المنضود: ۱/۱۳۰ - مرقاۃ المفاتیح: ۱/۳۸۷)

(۳) حقائقِ سنن: ۱/۱۴۲

تم تو گناہوں کے پتلے ہو، تمھارا نبی ایک ایسی جگہ مغفرت کا طالب ہے جہاں کسی طرح کا کوئی گناہ نہیں ہوا ہے اور جہاں قضائے حاجت کے لیے جانا ایک فطری مجبوری ہے؛ لہٰذا تمھیں تو یہ عملِ نبوی اپنی زندگی میں لا کر یہ عہد کرنا چاہیے کہ ہم پوری زندگی گناہوں سے دور رہیں گے اور اگر کبھی گناہ ہوگیا تو فوراً مغفرت کی درخواست کریں گے؛ اِسی لیے آپ ﷺ مختلف اوقات اور مختلف اعمال کے اخیر میں استغفار پڑھا کرتے تھے؛ تاکہ جہاں ایک طرف اپنی کوتاہی اور عاجزی کا اعتراف ہو سکے جو شکر کا لازمی حصہ ہے وہیں دوسری طرف امت بھی طلبِ مغفرت کی عادی ہو جائے اور یہی چیز انسان کی ترقیِ درجات کا سبب ہے، اللہ ہمیں اِس کی توفیق دے۔

دوسری دعا کی حکمت اور پیغام

۱- مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

پیشاب یا پاخانہ خدانخواستہ رک جائے اور فطری طریقہ سے خارج نہ ہو تو اللہ کی پناہ! کیسی تکلیف ہوتی ہے اور اس کے خارج کرنے کے لیے اسپتالوں میں کیا کیا تدبیریں کی جاتی ہیں، اگر بندہ اس کا دھیان کرے تو محسوس کرے گا کہ فطری طریقے سے پیشاب یا پاخانہ کا خارج ہونا اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت اور کتنا عظیم احسان ہے، رسول ﷺ اسی احساس اور دھیان کے تحت اس موقع پر اِس کلمہ کے ذریعہ اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتے تھے، **الحمدُ لله الذي أذْهَبَ عَني الأَذَى وعَافَانِي** سبحان اللہ! کیسی برمحل اور کتنی عارفانہ دعا ہے۔(۱)

۲- مفتی تقی عثمانی زید مجدہ کے افادات میں ہے:

اگر اِس دعا میں غور کریں تو یہ نظر آئے گا کہ اِس مختصر سی دعا میں نبی کریم ﷺ نے معانی کی عظیم کائنات بیان فرمادی ہے، اِس کے علاوہ ایک دوسری دعا بھی منقول ہے جس میں اِس سے زیادہ وضاحت ہے،

(۱) معارف الحدیث: ۱۴۳/۵

آپ پڑھتے تھے: الحمدُ لِلّٰهِ الذي أَذَاقَنِي لَذَّتَه و أَبقَى فِيَّ قُوَّتَه و أَذْهَبَ عَنِّي أذاه. (۱) یعنی اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اس کھانے کی لذت عطا فرمائی اور اِس کھانے میں جو قوت والے اجزاء تھے اور جو میرے جسم کو طاقت بخش سکتے تھے وہ اجزاء میرے جسم میں باقی رکھے اور جو اجزاء تکلیف دہ اور گندے تھے وہ میرے جسم سے دور کردیے، آپ غور کریں کہ انسان دن رات یہ کام کرتا رہتا ہے؛ لیکن اس کے نعمت ہونے کی طرف دھیان نہیں جاتا، ہم جب کھانا کھاتے ہیں تو ہمارے پیشِ نظر صرف زبان کا ذائقہ اور لذت ہوتی ہے، کھاتے وقت اِس طرف دھیان نہیں ہوتا کہ یہ کھانا ہمارے اندر جاکر کیا فساد مچائے گا، کھائی جانے والی مختلف اشیاء کے مختلف اثرات ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمھارے جسم میں ایک مشین بنائی ہے جو اس غذا کے ہر حصہ کو چھانٹ چھانٹ کر الگ کرتی ہے، یہ خودکار مشین قوت والے اجزاء کو محفوظ رکھتی ہے اور بے فائدہ اجزاء کو پیشاب و پاخانہ کے ذریعہ خارج کردیتی ہے؛ اِس لیے جب تم قضاء حاجت سے فارغ ہو تو اِس پر شکر ادا کرلو کہ آپ نے مجھ سے یہ گندگی دور فرمادی اور مجھے عافیت عطا فرمادی۔ (۲)

۳- انسان کے پیٹ میں جو گندہ فضلہ ہوتا ہے وہ ہر انسان کے لیے ایک قسم کے انقباض اور گرانی کا باعث ہوتا ہے، اگر وہ بروقت خارج نہ ہو تو اس سے طرح طرح کی تکلیفیں اور بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں اور اگر طبعی تقاضے کے مطابق پوری طرح خارج ہوجائے تو آدمی ایک ہلکا پن اور ایک خاص قسم کا انشراح محسوس کرتا ہے اور اِس کا تجربہ ہر انسان کو ہوتا ہے؛ اِس لیے قضائے حاجت سے فارغ ہونے کے بعد اللہ کی تعریف کرنے کا حکم ہے۔ (۳)

۴- ذرا سوچیے اگر پیشاب اور پاخانہ کے ساتھ انتڑیاں اور دیگر مخفی قوتیں اور طاقتیں

---

(۱) کنز العمال، رقم: ۱۷۸۷۷ (۲) اختصار: اسلام اور ہماری زندگی: ۱۰/۹۹ (۳) سنن ابن ماجہ اردو: ۱/۱۳۴

بھی خارج ہو جائیں تو اللہ کے بغیر اس درد و کرب سے کون محفوظ رکھ سکتا ہے؟ اب جب کہ قضائے حاجت کے وقت اللہ نے ان چیزوں سے ہماری حفاظت فرمائی؛ پس اُس ذات کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے، مذکورہ دعا کے ذریعہ اُسی حقِ شکر کی ادائیگی کا حکم ہے۔

۵- شریعت نے ''حمد وشکر'' کا ایک جامع نظام بنایا ہے، بندوں پر اللہ کی نعمتیں ہر آن برستی رہتی ہیں، سانس لینا اور چھوڑنا مستقل نعمتیں ہیں، ان نعمتوں کے بدلے میں اللہ کی تعریف اور اس کا شکریہ ادا کرنا بندگی اور عبدیت کا تقاضا ہے، گندگی کا دور ہونا اور عافیت نصیب ہونا بھی ایک نعمت ہے، پس اِس موقع پر اللہ کی تعریف کرنا ضروری ہے، اِس موقع پر مذکورہ جملہ کے ذریعہ اللہ کی تعریف کرنا اُسی نظامِ حمد وشکر کا ایک حصہ ہے، گویا غفرانک کے ذریعہ پہلے ادائے شکر میں کوتاہی پر معافی مانگی گئی اور دوسری دعا میں اُسی شکر کو ادا کرنے کی کوشش کی گئی، اور دونوں جملوں کا مشترک پیغام یہ ہے کہ انسان اللہ کی تعریف اور گناہوں اور کوتاہیوں پر شرمندگی کے اظہار میں پوری زندگی گذارے۔

یہ دعائیں دھیان سے پڑھنی چاہئیں

اگر ہر مسلمان روزانہ بیت الخلاء جاتے وقت اور نکلتے وقت دھیان کے ساتھ دعائیں پڑھنے کا معمول بنالے تو کیا اس کے نتیجے میں اللہ جَلَّ شانُہ کی عظمت اور محبت پیدا نہیں ہوگی؟ کیا اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی خشیت پیدا نہیں ہوگی کہ جو مالک بے نیاز میرے جسم میں اتنی قیمتی مشینیں لگا کر میرے لیے یہ کام کرا رہا ہے، کیا میں اس کے حکم کی نافرمانی کروں؟ کیا میں اس کی مرضی کے خلاف زندگی گزاردوں، اگر انسان یہ تصور کرنے لگے تو پھر کبھی گناہ کے پاس بھی نہ پھٹکے؛ اِس لیے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ بیت الخلاء سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھ لو، یہ کوئی منتر نہیں ہے؛ بلکہ اِس کے پیچھے ایک پورا فلسفہ ہے اور معانی کی پوری کائنات ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ذریعہ ہم کو عطا فرمائی ہے؛ لہٰذا ان دعاؤں کو پڑھنے کی عادت ڈالیے اور اِس تصور کے ساتھ پڑھیے کی اللہ تعالیٰ نے کتنی قیمتی نعمت ہم کو عطا فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو بھی اِس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین (۱)

---

(۱) اسلام اور ہماری زندگی: ۱۰/۹۹

(۵) وضو سے پہلے کی دعا

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص وضو سے پہلے اللہ کا نام نہ لے یعنی بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو نہیں ہوتا۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! جب تم وضو کا ارادہ کرو تو یہ (دعا) پڑھ لو۔

بسم الله والحمد لله. (۱)

BISMILLAHI, WALHAMDULILLAH

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اور ہر حمد وثناء اللہ کے لیے ہے۔

تشریح: صبح جب انسان اپنی ضروریات سے فارغ ہو جائے تو اسلامی تہذیب یہ ہے کہ سب سے پہلے وضو کرے؛ کیوں کہ صبح کو بیدار ہونے کے بعد مسلمان کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ تہجد یا نمازِ فجر کی تیاری کرے، یہ وضو اسی تیاری کا حصہ ہے، ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس موقع پر اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت معلوم کرے اور اُس پر عمل کرے؛ چناں چہ آغازِ وضو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹی سی دعا پڑھنے کی تعلیم فرمائی ہے، اور ایسا ہونا بھی چاہیے تھا، شروع میں یہ بات آچکی ہے کہ ہر اہم کام سے پہلے اللہ کا نام لینا چاہیے؛ ورنہ وہ کام پائے تکمیل کو نہیں پہنچتا، نماز نہ صرف اہم فریضہ ہے؛ بلکہ اُمُّ العبادات اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور اس کی صحت وضو پر موقوف ہے؛ پس وضو بھی اہم ہوا؛ لہٰذا وضو سے پہلے بھی اللہ کا نام لینا چاہیے۔

اوپر حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت گذری جس میں یہ مضمون مُؤکّد انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص وضو سے پہلے اللہ کا نام نہ لے اس کا وضو مکمل نہیں ہوتا، علامہ عینیؒ نے البنایہ میں لکھا ہے کہ مذکورہ حدیث گیارہ صحابہ کرامؓ سے مروی ہے، اس لیے سب مل کر حسن لغیرہ کے درجہ میں ہیں اور قابلِ استدلال ہیں، انھیں روایات کی روشنی میں فقہاء نے وضو سے پہلے بسم اللہ

(۱) المعجم الصغیر للطبرانی، رقم: ۱۹۶

کو مستحب یا سنت قرار دیا ہے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کی مختلف دعاؤں میں غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ معمول تھا کہ بسم اللہ کے ساتھ موقع کے مناسب واوِ عطف کے ساتھ دوسرا جملہ ملاتے تھے جیسے جانور ذبح کرنے کے تسمیہ میں بسم اللہ واللہ اکبر، اور کھانے کے تسمیہ میں بسم اللہ وعلی برکۃ اللہ اور وضو کے تسمیہ میں بسم اللہ والحمد للہ کہنا مروی ہے، جیسا حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں گذرا اور اُسی روایت کو بنیاد بنا کر مذکورہ دعا لکھی گئی ہے؛ لہٰذا وضو سے پہلے ہمیں **بسم الله والحمد لله** پڑھنا چاہیے۔

تنبیہ: بعض مشائخ سے اِس موقع پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا بھی ثابت ہے؛ اِس لیے اگر کوئی مکمل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن احادیث میں وضو سے پہلے بسم اللہ کے ساتھ الرحمٰن الرحیم ملانا ثابت نہیں ہے؛ اِس لیے نہ ملانا ہی بہتر ہے؛ بلکہ بسم اللہ والحمد للہ پڑھنا چاہیے۔(۱)

نوٹ: غسل سے پہلے جو وضو کیا جاتا ہے اس میں بھی یہی دعا پڑھنی چاہیے۔

حکمت اور پیغام نبوی

۱- تمام عاقل بالغ مسلمانوں پر نماز فرض ہے اور فرضیت کا مطلب ہی یہ ہے کہ نماز "حکمِ الٰہی اور فرمانِ خداوندی" ہے، اِسی طرح نماز سے پہلے وضو کرنا بھی فرمانِ خداوندی اور حکم الٰہی ہے، پس اِس کام کا آغاز اللہ کے نام و نیت سے کرنا اس حکم کی بجا آوری کا حصہ ہوگا، جس کی وجہ سے اسے آخرت میں ثواب سے نوازا جائے گا، وضو کے شروع میں بسم اللہ کی تعلیم درحقیقت اس بات کی دعوت ہے کہ انسان کا ہر عمل آخرت کو سامنے رکھ کر ہونا چاہیے، اب سوال یہ ہے کہ بسم اللہ والحمد اللہ پڑھ لینے سے آخرت میں کیا ثواب ملے گا؟ اس کا جواب حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ملتا ہے، سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت ابوھریرہؓ سے فرمایا: ابوھریرہ! جب وضو کرو تو بسم اللہ والحمد للہ پڑھ لیا کرو، اِس دعا کی تاثیر اور برکت یہ ہے کہ جب تک تمھارا وضو باقی رہے گا اُس وقت تک فرشتے تمھارے لیے نیکیاں لکھتے رہیں گے۔(۲)

---

(۱) البنایہ شرح الھدایہ: ۱/۱۸۹- تحفۃ الالمعی: ۱/۲۴۶ (۲) معجم صغیر، رقم: ۱۹۶

یہ اللہ کا کریمانہ قانون ہے کہ وضو سے پہلے مذکورہ دعا پڑھ لینے سے بغیر کسی خارجی عمل کے ثواب اور نیکیوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، دن بھر کی مصروفیات ومعمولات میں کارِ خیر انجام دینا یقیناً دشوار ہے؛ اِس لیے شریعت نے ایسا نظام بنایا کہ وہ دشواری، آسانی سے بدل گئی، ہر انسان جو اجر وثواب کا متلاشی ہے وہ اپنے وضو سے پہلے مذکورہ دعا کے ذریعہ اپنی منزلِ مقصود تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔

۲- شریعت یہ چاہتی ہے کہ وضو محض عادت کے طور پر نہ ہو؛ بلکہ وضو میں فرمانِ الٰہی کی اطاعت اور قربت اِلی اللہ کا خیال ہونا چاہیے؛ اِسی لیے تو سرکارِ دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس وضو میں اللہ کا نام نہ لیا جائے وہ وضو ہے ہی نہیں، اِس کا مطلب یہی ہے کہ وہ وضو ہی کیا جس میں غفلت اور بے پروائی پائی جائے، وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنا اِسی لیے مقرر ہوا؛ تاکہ نماز و نیاز، قربتِ الٰہی اور انابت اِلی اللہ کا خیال دل میں پیدا ہو جائے اور انسان حجابِ غفلت سے باہر آجائے اور یہ اِس لیے ضروری ہے کہ آئندہ نماز کا عمل شروع کرنا ہے جو اپنے رب سے سرگوشی کا ذریعہ ہے، وہاں یکسوئی، خشوع وخضوع اور استغراقی کیفیت مطلوب ہے؛ لہٰذا وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھ کر اسی یکسوئی کی تیاری کرائی جارہی ہے، اِس تشریح وتفصیل کا اجمال بالکل شروع کتاب میں حضرت تھانویؒ کے حوالہ سے آچکا ہے۔(۱)

۳- جو وضو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھایا ہے یہ محض ہاتھ منھ صاف کرنے کا ذریعہ نہیں، بے شک اِس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے ہاتھ منھ صاف ہوتے ہیں اور ظاہری صفائی حاصل ہوتی ہے؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وضو ایک روحانی عمل بھی ہے جس کے ذریعہ باطن کی صفائی کی جارہی ہے، باطن کا تزکیہ کیا جارہا ہے؛ اِس لیے حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ وضو کے وقت تمھاری زبان پر ذکر ہونا چاہیے؛ تاکہ باطن کی صفائی پختہ، مستحکم اور دیرپا ہو جائے۔

وضو کے ذریعہ روح کی صفائی بھی مقصود ہے اِس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی وقت انسان کو وضو کے لیے پانی نہ ملے یا پانی تو ہے؛ لیکن بیماری کی وجہ سے وہ پانی استعمال نہیں کر سکتا تو اس وقت شریعت کا حکم یہ ہے کہ وضو کے بجائے مٹی پر ہاتھ مار کر اپنے چہرے پر اور ہاتھ پر پھیر کر تیمم کر لیا

احکامِ اسلام عقل کی نظر میں: ۱/۲۶

جائے، دیکھیے اِس تیمّم میں ظاہری صفائی کا تو کوئی پہلو نہیں ہے؛ بلکہ اللہ ہاتھ اور چہرے پر مٹی لگا رہے ہیں؛ لیکن باطنی پہلو پھر بھی موجود ہے وہ یہ کہ اس تیمّم کے ذریعہ باطن کے اندر روحانیت اور نورانیت پیدا ہو رہی ہے اور دل میں ایمان کا نور حاصل ہو رہا ہے، خلاصہ یہ کہ وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنے سے باطن کی صفائی ہوتی ہے، قلب میں اتباعِ سنت کا نور پیدا ہوتا ہے اور جس دن یہ دعا قبول ہوگئی اس دن سے اس کی روحانیت مضبوط ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہوگا، عبادات کے امتثال میں طبیعت لگے گی، گناہوں کے ارتکاب سے نفرت ہوگی، زندگی سکون واطمینان سے گذرے گی، اور مرنے کے بعد بھی سکون واطمینان میسر ہوگا۔ (۱)

۴- ابتداءِ وضو میں بسم اللہ اِس لیے ہے؛ تاکہ اسلامی طہارت وصفائی اور غیر اسلامی طریقہ صفائی میں فرق ہو سکے، ہاتھ منھ تو سب دھوتے ہیں مسلمان بھی اور غیر مسلم بھی، صفائی سب کو حاصل ہوتی ہے؛ لیکن پاکی سب کو حاصل نہیں ہوتی، پاکی انھیں حاصل ہوگی جو وضو سے پہلے بسم اللہ بھی پڑھیں گے، صفائی اور پاکی دونوں الگ الگ چیزیں (۲) ہیں وضو میں دونوں مطلوب ہیں۔ (۳)

۵- وضو سے پہلے بسم اللہ والحمد للہ پڑھنا درحقیقت اپنی عاجزی کا اظہار ہے کہ یہ وضو اور نماز اتنے آسان اعمال نہیں ہیں کہ اللہ کی نصرت اور توفیق کے بغیر مکمل ہو سکیں، ہم عاجز بندوں کے وضو اور نماز، نبوی وضو اور نبوی نماز کے معیار کے مطابق اُسی وقت ہو سکتے ہیں جب اللہ تعالیٰ ہماری مدد کریں، گویا ہم کہتے ہیں: اے اللہ ہم تیرا نام لے کر ہی چاہتے ہیں اور تو نے ہمیں وضو اور نماز کی توفیق بخشی؛ اِس لیے اے اللہ! ہم تیرے شکر گذار ہیں، تیرے کتنے بندے ہیں جو وضو اور نماز سے غافل ہیں تو نے ہمیں غافلین سے الگ کر کے ذاکرین میں شامل فرمایا پس الحمد للہ، یعنی وضو سے قبل بسم اللہ پڑھنا اظہارِ عبدیت کا حصہ ہے اور والحمد للہ، نظامِ حمد وشکر سے متعلق ہے، اللہ ہمیں اِس پیغام نبوی کی سمجھ عطا فرمائے، مزید تفصیل کے لیے ''ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا راز'' کا مطالعہ کریں۔

---

(۱) اسلام اور ہماری زندگی بحذف واضافہ: ۱۰/۱۰۱

(۲) مثلاً ایک بالٹی پانی میں یک قطرہ پیشاب گر جائے تو پانی بظاہر صاف ہی کہلائے گا، اس سے کپڑے اور ہاتھ منھ صاف ہو سکتے ہیں؛ لیکن وہ پانی پاک نہیں ہے، شراب صاف ہونے کے باوجود ناپاک ہے، معلوم ہوا کہ ہر صاف چیز پاک نہیں ہوتی وہی چیز پاک کہلائے گی جسے شریعت پاک کہے گی۔ (۳) حوالہ سابق

(۶) دورانِ وضو پڑھنے کی ایک جامع دعا

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اُس وقت حاضر ہوا جب آپ وضو فرما رہے تھے، میں نے آپ کو یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي ذَنْبِيْ، وَوَسِّعْ لِيْ فِيْ دَارِيْ، وَبَارِكْ لِيْ فِيْ رِزْقِيْ. (۱)

ALLAHUMMA,GHFIR,LEE, ZAMBEE,WAWASSE'
LEE,FEE,DAREE,WABARIK,LEE,FEE,RIZQUEE

ترجمہ: اے اللہ! میرے گناہ معاف فرمادیجیے، میرے گھر میں کشادگی اور وسعت پیدا فرمادیجیے اور میرے رزق میں برکت عطا فرمادیجیے۔

تشریح اور پیغام نبوی

وضو کے تین حصے ہیں: آغازِ وضو، دورانِ وضو اور اختتامِ وضو، ان تینوں جگہوں پر سرکارِ دو عالم ﷺ سے دعاؤں کا پڑھنا ثابت ہے، آپ کی اِس سنت کی پیروی ہم مسلمانوں کی دنیوی اور اُخروی کامیابی کی ضامن ہے، یقین مانیے اتباعِ سنت کے جذبہ سے ان دعاؤں کا پڑھنا وضو، نماز اور دیگر مواقع میں زبردست روحانیت ونورانیت کا ذریعہ ہے جو ہر مسلمان کا نصب العین ہونا چاہیے، آغازِ وضو کی دعا پیچھے گذری اور اختتامِ وضو کی دعا آئندہ آرہی ہے، دورانِ وضو پڑھنے کی دعا کے تین حصے ہیں، ہر ایک کی الگ الگ تشریح لکھی جاتی ہے، پہلا جملہ آخرت سے متعلق ہے؛ جب کہ دوسرے دو جملے دنیا سے متعلق ہیں۔

۱- گناہوں سے معافی کی درخواست

مذکورہ دعا میں پہلا جملہ ہے: **اللھم اغفرلي** وضو کرنے والا اپنے رب سے گناہوں سے معافی کی درخواست کررہا ہے؛ کیوں کہ اسے اپنی کوتاہیوں، غلطیوں اور گناہوں کا اقرار واعتراف ہے، وہ اپنے آپ کو گناہوں اور خطاؤں سے پاک وصاف نہیں سمجھتا ہے، یہ اقرارِ جرم

---

(۱) جامع الاصول فی أحادیث الرسول، رقم: ۱۵۱۳

اللہ کو بہت پسند ہے، اللہ اقراری مجرم کو ضرور معاف فرما دیتے ہیں، اِس جملہ کے ذریعہ یہ تعلیم دی جارہی ہے کسی بھی انسان کو یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ وہ اللہ کی مغفرت سے بے نیاز ہے، صرف سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گناہوں سے اِس طرح معصوم تھی کہ کوئی گناہ آپ سے سرزد ہو ہی نہیں سکتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عالی مقام کی وجہ سے جن چیزوں کو بھول چوک اور خطا سمجھتے تھے، اللہ نے ان اگلی پچھلی تمام بھول چوک کو معاف فرما دیا تھا، اِس کے باوجود وَقُل رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ (۱) اور فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ (۲) جیسی آیات کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طلبِ مغفرت کا پابند بنایا گیا اور آپ نے اُس پر کس درجہ عمل کیا یہ بھی دیکھنے اور عمل کرنے کی چیز ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، میں روزانہ ستر مرتبہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں (۳) اور یہ ستر کا لفظ بھی گنتی کے لیے نہیں ہے؛ بلکہ عربوں کے محاورے میں یہ لفظ کثرت کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی کثرت سے استغفار کیوں کیا کرتے تھے؟ اِس کا جواب یہی ہے کہ یہ امت کی تعلیم کی خاطر تھا۔

دوسری بات یہ کہ انسان زیادہ سے زیادہ یہ کرسکتا ہے کہ جس چیز کو وہ گناہ اور برائی سمجھتا ہے وہ اس سے پرہیز کرلے گا؛ لیکن بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ انسان کو اِس بات کا خیال بھی نہیں آتا کہ مجھ سے یہ غلط کام ہوا ہے؛ حالاں کہ وہ غلط کام ہوتا ہے، آپ صرف نماز کی مثال لے لیں، ہم جس انداز سے نماز پڑھتے ہیں کیا وہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے میل کھاتی ہے، نماز میں اللہ کی عظمت کا استحضار کس درجہ ہوتا ہے ہر آدمی فیصلہ کرسکتا ہے، دربارِ الٰہی کے آداب کی بجا آوری میں کوتاہی یقیناً ہوتی ہے اور ہمیں اِس کا احساس بھی نہیں ہوتا، یہی کوتاہی حقیقت میں مغفرت کے لائق ہے اور اِسی مغفرت کے حصول کے لیے دورانِ وضو دعا کی تعلیم دی گئی؛ تاکہ سابقہ نمازوں کی کوتاہیاں مٹادی جائیں اور اگلی نمازوں میں ان کوتاہیوں سے پرہیز کی توفیق مل جائے، علاوہ ازیں زندگی کے بہت سے وہ گناہ بھی ہیں جو ہمارے علم میں نہیں ہیں؛ لیکن اللہ کے علم میں ہیں، دورانِ وضو اُن گناہوں سے معافی کی تلقین کی جارہی ہے۔ (۴)

تیسری بات یہ کہ مغفرت طلب کرنا درحقیقت اپنی عاجزی اور عبدیت کا اظہار ہے کہ

---

(۱) المومنون، ۲۳: ۱۱۸ (۲) النصر، ۱۱۰: ۳ (۳) بخاری، رقم: ۵۸۳۲ (۴) فیض القدیر: ۲/ ۱۱۰

بندہ گناہ کے مواقع کے علاوہ میں بھی اپنے آپ کو گنہ گار سمجھے اور معافی مانگے یہ چیز ترقی درجات کا سبب ہے، یہی وہ مقام ہے کہ بندہ کل قیامت میں اپنے آپ پر استغفار کی وجہ سے فخر محسوس کرے گا، گویا دورانِ وضو اسی مقام کے حصول کی مشق کرائی جارہی ہے، طلبِ مغفرت ایک عظیم دولت ہے اللہ ہمیں نصیب فرمائے، اور اس دولت کے حصول کے لیے وضو ایک اسٹیج ہے، کیا ہم اس کے لیے تیار ہیں؟

چوتھی بات یہ کہ اللہ کا ارشاد ہے: **مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَ آمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِراً عَلِيْماً.** (۱) یعنی اللہ تعالیٰ تمھیں سزا دے کر کیا کرے گا؟ اگر تم شکر گزاری کرتے رہو اور با ایمان رہو، اللہ تعالیٰ بہت قدر کرنے والا اور پورا علم رکھنے والا ہے، شکر گزاری کا مطلب ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق برائیوں سے اجتناب اور عملِ صالح کا اہتمام کرنا، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو سزا دینا نہیں چاہتے، نیز اللہ تعالیٰ "غفور اور غفار" بھی ہیں، اگر ہم گناہوں سے پرہیز کریں یا گناہ ہو جائے اور ہم استغفار اور توبہ کریں تو یقیناً اللہ ہمیں معاف کر دیں گے، دورانِ وضو اور دیگر مقامات پر طلبِ مغفرت کی تعلیم اسی نظامِ عفو و درگذر کا حصہ ہے۔

چند اور نکتے

۱- مفتی تقی عثمانی صاحب زید مجدہ کے افادات میں ہے:

وضو کے دوران اِس جملے کو پڑھنے میں ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ جس وقت انسان وضو کرتا ہے تو اس کے ذریعہ وہ اپنے ظاہری اعضاء کے میل کچیل کو صاف کرتا ہے، اِس جملے کے ذریعہ حضور اقدس ﷺ وضو کرنے والے کو اِس طرف متوجہ فرما رہے ہیں کہ وہ اپنے باطنی مَیل کچیل کی صفائی کا بھی خیال کرے اور اس کی فکر کرے، اگر باطن کے اندر گناہوں کی گندگی جمی ہوئی ہو تو پھر اس ظاہری صفائی کا بھی کوئی فائدہ نہیں تو اس وقت تم اللہ سے اندرونی میل کچیل کی صفائی بھی مانگو اور کہو **اللهم اغفرلي ذنبي**۔

---

(۱) النساء۴: ۱۴۷

۲- اِس دعا میں ایک اور نکتہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ صغیرہ گناہ تو وضو کے ذریعہ خود بخود معاف ہوتے رہتے ہیں، چاہے توبہ کرے یا نہ کرے؛ چناں چہ جو صغیرہ گناہ ہاتھوں کے ذریعہ کیے ہیں، وضو میں ہاتھ دھونے سے وہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں، آنکھ سے جو گناہ کیے ہیں، وہ چہرہ دھونے سے معاف ہوجاتے ہیں ایسے ہی دوسرے اعضاء کے گناہ، ان اعضاء کو دھونے سے معاف ہوجاتے ہیں؛ لیکن کبیرہ گناہ خود بخود معاف نہیں ہوتے جب تک توبہ نہ کی جائے؛ اس لیے حضور اقدس ﷺ یہ ترکیب بتارہے ہیں کہ اِس وقت تم کبیرہ گناہوں سے مغفرت مانگ لو۔ **اللهم اغفرلي ذنبي.** (۱)

اِس تعلق سے مزید تفصیل ''غفرانک'' کی تشریح میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

۲-گھر میں کشادگی کی درخواست

مذکورہ دعا کا دوسرا ٹکڑا دنیا سے متعلق ہے، دنیا میں زندگی گذارنے اور سردی وگرمی سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے ہر انسان کو مکان کی ضرورت ہے، اور حسبِ استطاعت ہر انسان اپنے لیے گھر بناتا ہے؛ لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے ایک مسلمان کے لیے اس کا گھر کیسا ہونا چاہیے؟ خوب صورت اور عالی شان یا پھر کشادہ؟ مذکورہ دعائے نبوی ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ گھر میں خوب صورتی، ٹیپ ٹاپ، آرائش وزیبائش مطلوبِ حقیقی نہیں ہیں، یہ دعا مت کرو کہ اللہ میرے گھر کو عالی شان اور فنِ تعمیر کی شاہکار بنادیجیے؛ بلکہ یہ دعا کرو کہ اے اللہ گھر کے اندر کشادگی پیدا فرمادیجیے، تنگی پیدا نہ فرمائیے۔

پھر کشادگی دو طرح کی ہوتی ہے: ظاہری کشادگی یعنی گھر بڑا ہو، کمرے اور صحن بڑے ہوں، برآمدہ وسیع وعریض ہو اور پارکنگ وواکنگ کی سہولت ہو، دوسری کشادگی معنوی ہے یعنی انسان باہر کی مصروفیات سے تھک کر جب اپنے گھر میں آئے تو اس کے دل کو سکون نصیب ہو، گھر

(۱) اسلام اور ہماری زندگی: ۱۰/۱۱۳

کے افراد والہانہ انداز میں استقبال کریں، بیوی ہو تو مسکرا کر خیریت معلوم کرے وغیرہ، مذکورہ دعا میں جس کشادگی کی دعا کی جارہی ہے وہ دونوں طرح کی کشادگی کو شامل ہے؛ لہٰذا انسان کو اِس موقع پر دونوں طرح کی کشادگیوں کو ذہن میں رکھ کر دعا کرنی چاہیے؛ بلکہ کشادگی بمعنی چین وسکون کی دعا غالب ہونی چاہیے؛ کیوں کہ گھر کا اصل وصف ''سکون'' ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُم مِّن بُیُوتِکُمْ سَکَناً. (۱) یعنی اللہ نے تمھارے گھروں کو تمھارے لیے سکون کی جگہ بنایا، معلوم ہوا کہ گھر کا سب سے اعلیٰ وصف یہ ہے کہ اس کے اندر جانے کے بعد انسان کو سکون نصیب ہو، گھر میں جانے کے بعد سکون نہ ملے، لڑائی جھگڑے اور دیگر الجھنیں سامنے آجائیں تو گھر کی ظاہری کشادگی کس کام کی؟ بہر حال دونوں کشادگی کی دعا کرنی چاہیے، دونوں طرح کی کشادگی انسان کے لیے راحت وآرام کا سبب ہے، گھر کا نہ ہونا یا بقدرِ ضرورت نہ ہونا ذہنی تناؤ اور ٹینشن پیدا کرتا ہے۔ (۲)

دلوں کا ملا ہوا ہونا بھی کشادگی میں داخل ہے

مفتی تقی عثمانی صاحب زید مجدہ کے افادات میں ہے:

> پھر کشادگی کا لفظ اتنا وسیع ہے کہ اس کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ گھر بڑا ہو؛ بلکہ اس کے اندر یہ بات بھی داخل ہے کہ گھر والوں کے دل باہم ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہوں، اگر گھر بڑا ہے؛ لیکن گھر والوں کے دل ملے ہوئے نہیں ہیں تو گھر بڑا ہونے کے باوجود گھر کی راحت اس میں حاصل نہیں ہوسکے گی۔ (۳)

مولف عرض گزار ہے کہ موجودہ دور میں اِس دعا کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے، آج گھروں میں راحت وسکون نہ ہونے کی بنیادی وجہ دلوں کا ملا ہوا نہ ہونا ہے، بیٹے کو باپ سے شکایت ہے، بھائی کو بھائی سے گلہ ہے، ساس بہو کے جھگڑے تو عروج پر رہتے ہیں، شوہر اور بیوی میں قلبی رشتہ کی مضبوطی مفقود ہوتی جارہی ہے، گھر ایک ہونے اور افرادِ خانہ کے متحد ہونے کے باوجود دلوں میں نفرت وعداوت کے کانٹے موجود ہیں؛ اِس لیے اندرونِ خانہ جھگڑوں کے خاتمہ

---

(۱) النحل، ۱۶: ۸۰ (۲) اسلام اور ہماری زندگی: ۱۰/۱۱۵-فیض القدیر: ۲/۱۱۰ (۳) اسلام اور ہماری زندگی: ۱۰/۱۱۷

کے لیے مذکورہ دعا نہایت اہم اور برتنے کے قابل ہے، اللہ توفیق دے۔

فارغ وقت گھر میں گذاریے

حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

> لوگوں میں ایک بڑی کمزوری یہ ہے کہ ان کے لیے ان کے گھر میں گنجائش نہیں ہوتی، گھر میں ان کا دل نہیں لگتا، وہ کھا پی کر چوراہوں، دوکانوں پر یا دوستوں کے پاس جا بیٹھتے ہیں، پھر جب نیند کا غلبہ ہوتا ہے تو گھر میں آکر پڑ جاتے ہیں، یہ اچھا طریقہ نہیں، اس سے آدمی کا قیمتی وقت ضائع ہوجاتا ہے، نہ دین کا کوئی کام کرسکتا ہے، نہ دنیا کا؛ بلکہ گناہوں کی پوٹ لے کر گھر لوٹتا ہے، علاوہ ازیں: گھر والے بھی اس سے بددل ہوجاتے ہیں، وہ انتظار کرتے کرتے سوجاتے ہیں؛ پس اس دعا میں یہ تعلیم ہے کہ آدمی کو فارغ وقت گھر میں گذارنا چاہیے؛ تاکہ کچھ عبادت کرے، کوئی دنیا کا کام کرے یا کم از کم گھر والوں کی دل بستگی کا ذریعہ بنے اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ آدمی کے لیے اس کے گھر میں گنجائش ہو، گھر اس کو کاٹے نہیں؛ بلکہ انسیت کا ذریعہ بنے۔ (۱)

حقیقی گھر قبر ہے

شراحِ حدیث نے لکھا ہے کہ مذکورہ حدیث میں ''دار'' سے قبر بھی مراد ہوسکتی ہے؛ کیوں کہ یہی انسان کا حقیقی گھر ہے، اس لیے کہ موت یقینی ہے اور مرنے کے بعد قبر میں جانا بھی یقینی ہے اور قبر، آخرت کی پہلی منزل ہے؛ اس لیے قبر کی ہولناکی اور تنگی سے بچنے کی دعا کرنا بہت ضروری ہے، گویا حدیث میں یہ پیغام بھی ہے کہ انسان صرف دنیا میں گھروں کی کشادگی کی دعا پر اکتفاء نہ کرے؛ بلکہ اسے قبر کی وسعت وکشادگی کی دعا بھی کرنی چاہیے؛ لہٰذا مذکورہ دعا پڑھتے وقت دنیا اور قبر دونوں میں ''وسیع گھر'' کی تمنا کرنا پیغام نبوی ہے۔ (۲)

---

(۱) تحفۃ الالمعی: ۱۵۴/۸ (۲) فیض القدیر: ۱۰۲/۲

۳-رزق میں برکت کی درخواست

مذکورہ دعا کا تیسرا ٹکڑا ہے **وبارک لي في رزقي** اے اللہ! میرے رزق میں برکت عطا فرمایئے، اِس جملے میں بھی غور کرنے کی بات یہ ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہ دعا نہیں فرمائی کہ رزق بہت زیادہ مل جائے، مال و دولت میں خوب اضافہ ہو جائے؛ بلکہ رزق میں برکت کی دعا کی تعلیم دی ہے، انسان کو زندگی گذارنے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے وہ سب رزق کے اندر داخل ہیں، خواہ وہ مال و دولت ہو، دنیا کے ساز و سامان ہوں یا کھانے پینے اور اوڑھنے کے سامان ہوں سب رزق میں داخل ہیں۔

برکت کا مفہوم

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: **البركة ثبوت الخير الإلهي في الشيء** یعنی اللہ کی طرف سے ملنے والی خیر و بھلائی کو برکت کہتے ہیں، برکت کو بیان نہیں؛ بلکہ محسوس کیا جاتا ہے، آپ ﷺ سے بہ کثرت برکت کی دعائیں منقول ہیں اور رزق کے علاوہ عمر، عبادت وغیرہ میں بھی برکت کی دعائیں منقول ہیں، برکت کی تفصیل اور تشریح کے لیے قرآن کی ایک آیت اور اس کی تفسیر ذکر کرنا مناسب ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

> وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ۔ (۱)
>
> اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے؛ لیکن انھوں نے تو (پیغمبروں کی) تکذیب کی تو ہم نے (بھی) ان کے اعمال (بد) کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔

مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> برکت کے لفظی معنی زیادتی کے ہیں، آسمان اور زمین کی برکتوں سے مراد یہ ہے کہ ہر طرح کی بھلائی ہر طرف سے اُن کے لیے کھول دیتے،

(۱) الاعراف، ۷:۹۶

آسمان سے پانی ضرورت کے مطابق وقت پر برستا، زمین سے ہر چیز خواہش کے مطابق پیدا ہوتی پھر ان چیزوں سے نفع اٹھانے اور راحت حاصل کرنے کے سامان جمع کر دیے جاتے کہ کوئی پریشانی اور فکر لاحق نہ ہوتی جس کی وجہ سے نعمت مکدر ہو جاتی ہے، ہر چیز میں برکت یعنی زیادتی ہوتی۔

پھر برکت کا ظہور دنیا میں دو طرح سے ہوتا ہے؛ کبھی تو اصل چیز واقع میں بڑھ جاتی ہے جیسے رسول کریم ﷺ کے معجزات میں ایک معمولی برتن کے پانی سے پورے قافلہ کا سیراب ہونا، یا تھوڑے سے کھانے سے ایک مجمع کا شکم سیر ہو جانا روایاتِ صحیح میں مذکور ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر چہ ظاہری طور پر اس چیز میں کوئی زیادتی نہیں ہوئی، مقدار اتنی ہی رہی جتنی تھی؛ لیکن اس سے کام اتنے نکلے جتنے اس سے دوگنی چوگنی چیز سے نکلتے، اور اِس کا مشاہدہ عام طور سے کیا جاتا ہے کہ کوئی برتن، کپڑا، گھر یا گھر کا سامان ایسا مبارک ہوتا ہے کہ اس سے عمر بھر آدمی راحت اٹھاتا ہے اور وہ پھر بھی قائم رہتا ہے اور بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ بناتے ہی ٹوٹ گئیں یا سالم بھی رہیں؛ مگر ان سے نفع اٹھانے کا موقع ہاتھ نہ آیا یا نفع بھی اٹھایا؛ لیکن پورا نفع نہ اٹھا سکے۔

اور برکت انسان کے مال میں بھی ہوتی ہے جان میں بھی، کام میں بھی اور وقت میں بھی، بعض مرتبہ ایک لقمہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان کی قوت وصحت کا سبب بن جاتا ہے اور بعض اوقات بڑی سے بڑی طاقت ور غذا اور دوا کام نہیں دیتی، اسی طرح بعض وقت میں برکت ہوتی ہے تو ایک گھنٹہ میں اتنا کام ہو جاتا ہے کہ دوسرے اوقات میں چار گھنٹوں میں بھی نہیں ہوتا، ان سب صورتوں میں اگر چہ مقدار کے اعتبار سے نہ مال بڑھا

ہے نہ وقت؛ مگر برکت کا ظہور اس طرح ہوا کہ اس سے کام بہت نکلے۔
اِس آیت نے یہ بات واضح کردی کہ آسمان اور زمین کی کل مخلوقات وموجودات کی برکات ایمان اور تقویٰ پر موقوف ہیں، ان کو اختیار کیا جائے تو آخرت کی فلاح کے ساتھ دنیا کی فلاح وبرکات بھی حاصل ہوتے ہیں اور ایمان وتقویٰ کو چھوڑنے کے بعد ان کی برکات سے محرومی ہوجاتی ہے، آج کی دنیا کے حالات پر غور کیا جائے تو یہ بات ایک محسوس حقیقت بن کر سامنے آجاتی ہے کہ آج کل ظاہری طور پر زمین کی پیداوار بہ نسبت پہلے کے بہت زائد ہے اور استعمالی اشیاء کی بہتات اور نئی نئی ایجادات تو اِس قدر ہیں کہ پچھلی نسلوں کو ان کا تصور بھی نہ ہوسکتا تھا؛ مگر اِس تمام سازوسامان کی بہتات اور فراوانی کے باوجود آج کا انسان سخت پریشان، بیمار، تنگدست نظر آتا ہے، آرام وراحت اور امن واطمینان کا کہیں وجود نہیں، اِس کا سبب اِس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ سامان سارے موجود اور بکثرت موجود ہیں؛ مگر ان کی برکت مٹ گئی ہے۔(۱)

برکت کی مزید وضاحت

اگر آپ آمدنی واخراجات کے حساب کتاب کے چکر میں پڑے بغیر اور بنا کسی ٹینشن کے اپنا گھر چلا رہے ہیں تو یہی برکت ہے، پھر چاہے آپ کی آمدنی ایک لاکھ ہو یا ایک ہزار کچھ فرق نہیں پڑتا، برکت کی سب سے بڑی نشانی دل کا اطمینان ہوتا ہے جو کہ بڑے بڑے سیٹھوں اور سرمایہ داروں کو نصیب نہیں ہوتا، اگر برکت دیکھنی ہو تو سخت گرمیوں میں روڈ کھودتے کسی مزدور کو کھانے کے وقفہ میں دیکھ لیں جب وہ دیوار کی اوٹ لے کر اپنی چادر پھیلا کر بیٹھتا ہے، اپنا ٹفن کھول کر اس پر روٹی رکھتا ہے پھر اچار کی چند قاشیں نکال کر اس پر ڈال دیتا ہے اور بسم اللہ پڑھ کر نوالہ توڑتا ہے، اُس کیفیت میں جو قرار اور دلی اطمینان اس کو محسوس ہو رہا ہوتا ہے وہ کسی لکھ پتی کو مہنگے سے مہنگے کھانا کھا کر بھی نصیب نہیں ہوتا۔

برکت کی متعدد صورتیں

ا- برکت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے گھر کے افراد کو کسی

(۱) معارف القرآن: ۴/۱۴۴

بڑی بیماری یا مصیبت سے محفوظ رکھتا ہے، انسان ہسپتال اور ڈاکٹروں کے چکروں سے بچا رہتا ہے، یوں اس کی آمدنی پانی کی طرح بہنے سے محفوظ رہتی ہے۔

۲- برکت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ آپ کی بیوی قناعت پسند اور شکر گزار ہے وہ تھوڑے پر راضی ہو جاتی ہے، وہ بے جا فرمائشوں سے آپ کی جیب پر بوجھ نہیں بنتی، اِس طرح وہ آپ کو اطمینانِ قلب کے ساتھ ساتھ مالی مشکلوں سے بچا لیتی ہے۔

۳- ایک صورت یہ بھی ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے نیک صالح اور شکر گزار اولاد عطا کی ہے، وہ اپنے گرد و پیش سے متاثر ہوئے بغیر آئے دن آپ سے نئی نئی فرمائشیں (موبائل، کپڑے اور گاڑی) نہیں کرتی؛ بلکہ قانع اور شکر گزار رہتی ہے۔

بہر حال مذکورہ حدیث میں یہ پیغام ہے کہ اصل مانگنے کی چیز ''برکت'' ہے اور اِس برکت کو آپ مادی ذرائع سے حاصل نہیں کر سکتے؛ بلکہ یہ برکت خاص اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے جس کے لیے انسان کے اندر برکت کی طلب ہونی چاہیے، اللہ کے پیارے رسول ﷺ کے ہمارے اوپر کتنے احسانات ہیں کہ انھوں نے چھوٹی چھوٹی دعاؤں کے ذریعہ ہمیں اِس جانب متوجہ فرمایا ہے، یہ دعا حصولِ برکت کا نہایت آسان راستہ ہے، روزانہ کم از کم پانچ مرتبہ ہمارے پاس اِس دعا کے اہتمام کا موقع ہے؛ لیکن اِس کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ جس گھر میں لوگ دن چڑھے تک سوتے رہتے ہوں وہاں برکت نہیں ہوتی؛ کیوں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے: اے اللہ! میری امت کے لیے دن کے اولین حصے میں برکت عطا فرمائیے(۱) اِسی طرح شوقیہ کتا پالنا، تصویریں اور میوزک بھی برکت کے اٹھ جانے کے اسباب میں سے ہیں، اِس کے علاوہ لباس اور جسم کی پاکی اور حلال ذریعۂ آمدنی برکت کے حصول کے لیے لازم ملزوم ہیں، کوئی سودی اور ناجائز کاروبار میں ملوث ہو یا جسم اور کپڑوں کو ناپاک رکھتا ہو اور برکت کا امیدوار بھی ہو تو یہ اس کی سادہ لوحی کی بات ہوگی۔

دورانِ وضو پڑھی جانے والی اِس دعا میں سب کچھ آ گیا، ترمذی کی روایت میں ہے کہ

جب ایک صاحب نے آپ کے سامنے مذکورہ دعا کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا: پس کیا تو دیکھتا ہے

(۱) ترمذی، رقم: ۱۲۱۳

ان دعاؤں کو کہ انھوں نے کسی چیز کو چھوڑا ہے؟ یعنی ان دعاؤں میں سب کچھ آ گیا ہے۔(۱) اگر انسان پانچوں نمازوں کے وقت وضو کرتے ہوئے، معانی ومفہوم کا استحضار رکھتے ہوئے، اخلاص کے ساتھ یہ دعائیں مانگے تو کبھی نہ کبھی تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ مانگنے والوں کو خالی ہاتھ نہیں لوٹایا کرتے، ان شاء اللہ وہ ضرور قبول فرمائیں گے، ایک انسان کو گناہوں سے معافی مل جائے اور دنیا میں روٹی، کپڑا اور مکان کا مسئلہ حل ہو جائے اِس کے علاوہ اور کیا چاہیے۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے کوئی رہ روِ منزل ہی نہیں

ملحوظہ

۱- یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ مذکورہ دعا وضو کے ساتھ خاص نہیں ہے؛ بلکہ دوسرے مواقع پر بھی پڑھی جا سکتی ہے، کتبِ حدیث میں اِس دعا کے پڑھنے کے مختلف مواقع درج ہیں، مسند ابی یعلی (رقم: ۷۱۱۲) اور السنن الکبریٰ للنسائی (رقم: ۹۹۰۸) میں مذکور ہے کہ یہ دعا حضور ﷺ نے وضو کے بعد پڑھی تھی، جامع الاصول کے مطابق یہ دعا رسول اللہ ﷺ نے وضو کے دوران پڑھی تھی؛ جبکہ المعجم الاوسط (رقم: ۶۸۹۱) اور ترمذی (رقم: ۳۵۰۰) سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ دعا رات میں کسی وقت پڑھی تھی اور مسند احمد (رقم: ۱۶۵۹۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نماز میں یہ دعا پڑھی تھی، خلاصہ یہ نکلا کہ مذکورہ دعا جیسے دورانِ وضو پڑھ سکتے ہیں ویسے ہی دیگر مقامات پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

۲- مذکورہ دعا دورانِ وضو کتنی بار پڑھی جائے اِس کی کوئی صراحت نہیں ہے؛ اِس لیے سب سہولت ایک مرتبہ سے زائد پڑھنے کی بھی گنجائش ہے۔

۳- دعا یاد نہ ہو تو اپنے وضو خانوں میں لکھ کر چپکا دیں، کچھ دنوں میں یاد ہو جائے گی اور اگر ساتھ میں بچے وضو کریں تو ہمیں یہ دعا بلند آواز سے پڑھنی چاہیے؛ تا کہ وہ سن کر یاد کر لیں۔

۴- اور جب تک عربی الفاظ یاد نہ ہوں اس وقت تک اردو ہی میں مانگ لیں۔

(۱) ترمذی، رقم: ۳۵۰۰

(۷) وضو کے بعد کی دعا(۱)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کامل وضو کرے پھر یہ دعا (۲) پڑھے تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہاں سے چاہے داخل ہو جائے۔

أشْهَدُ أنْ لَّا إلٰهَ إلا اللّٰهُ وَحْدَه لا شَرِيكَ له وأشْهَدُ أن محمداً عبدُه ورَسُولُهُ، اللهم اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ واجْعَلْنِيْ من الْمُتَطَهِّرِيْنَ. (۳)

ASH,HADU,ANLA,ILAHA ILLALLAHU,WAH'DAHU
LA,SHAREEKA,LAHU, WA,ASH,HADU,ANNA
MUHAMMADAN A'BDUHU,WA,RASOOLUHU.
ALLAHUMMAJ,A'LNEE,MINATTAWWABEENA,
WAJ,A'LNEE,MINALMUTAT'AHHIREEN.

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں جو اکیلا ہے، اس کا کوئی ساجھی نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، اے اللہ مجھے توبہ کرنے والوں میں سے بنا دیجیے اور مجھے گندگی سے بچنے والوں میں سے بنا دیجیے۔

نوٹ: علامہ نووی لکھتے ہیں کہ غسل کرنے والے کے لیے بھی مذکورہ دعائیں مستحب ہیں، **وتستحب هذه الأذكار للمغتسل أيضا.** (۴)

(۱) وضو کے بعد تین قسم کے اذکار احادیث سے ثابت ہیں: علامہ نووی نے ان سب دعاؤں کا جمع کرنا مستحب قرار دیا ہے: (۱) شہادتین اور **اللهم اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ واجْعَلْنِيْ من الْمُتَطَهِّرِيْنَ.** جیسا کہ امام ترمذی نے نقل کیا ہے، امام مسلم نے بھی اس حدیث کی تخریج کی ہے، لیکن اس میں صرف شہادتین کا تذکرہ ہے، آگے والی دعا نہیں ہے۔ (۲) **اَللّٰهُمَّ**

اغْفِرْلِي ذَنْبِيْ، وَوَسِّعْ لِي فِيْ دَارِيْ، وَبَارِكْ لِيْ فِيْ رِزْقِيْ۔ (السنن الکبریٰ للنسائی، رقم: ۹۸۲۸) (۳) سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وبحَمْدِکَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ وَحْدَکَ لَا شَرِيْکَ لَکَ، أَسْتَغْفِرُکَ وأَتُوْبُ إِلَيْکَ۔ (عمل الیوم والليلة ، رقم: ۳۰)

(۲) مسند احمد رقم: ۱۲۱ میں ثم رفع نظره إلى السماء کے الفاظ منقول ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ دعا پڑھتے وقت آسمان کی جانب نگاہ اٹھا سکتے ہیں۔ (۳) مسلم، رقم: ۲۳۴-ترمذی، رقم: ۵۵ (۴) شرح النووی: ۱۲۱/۳

تشریح و پیغامِ نبوی

جب انسان وضو سے فارغ ہوجائے تو نبوی ادب یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی رُبوبیت واُلوہیت اور اُس کے رسول کی عبدیت ورسالت کی گواہی دے پھر بارگاہِ ایزدی میں دو درخواست پیش کرے کہ اللہ اسے توبہ کرنے والا بھی بنادے اور خوب طہارت ونظافت کا اہتمام کرنے والا بنا کر تمام گندگیوں سے پرہیز کرنے والا بنادے، وضو کے بعد کلمہ شہادتین پڑھنے میں کئی فوائد مضمر ہیں:

۱- چوں کہ وضو نماز کی شرط ہے؛ اِس لیے اِس سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا سکھائی گئی ہے؛ تاکہ نماز پڑھنے والا بخوبی سمجھ لے کہ نماز میں ریا اور دکھاوا وغیرہ شرک کی کوئی چیز شامل نہ ہونی چاہیے؛ کیوں کہ نماز خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت ہے، اور یہ عبادت اُس عبدِ کامل نے قولاً وفعلاً بتائی ہے، جن کا اسم گرامی حضرت محمد ﷺ ہے جو خدا کے رسول ہیں، جب آپ پہلے خدا کے بندے اور بعد میں اُس کے رسول ہیں تو کوئی اور کیسے معبود ہوسکتا ہے؟ اور یہ نماز کے اِحسان اور اِخلاص کی تمہید ہے۔ (۱)

۲- ایمان میں تازگی اور عقیدے میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔ (۲)

۳- اللہ کے حضور اپنے عجز ونیاز کا اظہار ہے کہ اے میرے پروردگار ظاہری طہارت جو میرے بس میں تھی پانی کے ذریعہ میں نے حاصل کرلی باطن کی صحیح طہارت جس کا اصل معیار کلمۂ شہادت ہے آپ کے قبضۂ قدرت میں ہے، آپ ہی مجھے عقیدہ کی پختگی، وحدانیتِ باری تعالیٰ اور رسالت خاتم النبیین سے وابستگی عطا فرمائیں۔

۴- اے اللہ وضو کی وجہ سے میرے اعضاءِ حدث اور ناپاکی سے پاک ہوگئے، اب آپ میرے دل کو کلمہ شہادتین کی برکت سے شرک اور ریا سے پاک فرمادیجیے۔ (۴)

۵- پانی ظاہری طہارت کا ذریعہ ہے، اور ذکرِ الٰہی باطن کی طہارت کا ذریعہ ہے

اور چوں کہ کلمہ شہادت سب سے بڑا ذکر ہے؛ پس وضو کے بعد مذکورہ دعا پڑھنی چاہیے۔

توبہ وطہارت

مذکورہ دعا کے دوسرے ٹکڑے میں دو الفاظ ہیں: (۱) **التوابین** (۲) **المتطہرین**

(۱) چالیس دعائیں، ص:۴۵ (۲) حقائق سنن: ۱/۲۶۱ (۳) مرقاۃ المفاتیح: ۱/۳۴۹

توبہ کرنے والوں کے لیے قرآن وحدیث میں خوش خبری اور بشارت سنائی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں توبہ وندامت کے دو قطرے سمندر بھر گناہوں کو ختم کرنے کے لیے کافی ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ کو پسند آتے ہیں توبہ کرنے والے اور پسند آتے ہیں گندگی سے بچنے والے(۱) حدیث میں ہے: ہر انسان خطا کار اور گنہ گار ہے مگر بہترین خطا کار وہ ہے جو اللہ سے توبہ اور اس کی طرف رجوع کرنے والا ہے(۲) اور ایسا اِس لیے ہے کہ گناہ ایک سنگین اور مہلک ترین روحانی مرض ہے، گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے قلب میں زنگ لگ جاتا ہے اور قلب سیاہ ہو کر، نورِ الٰہی سے خالی ہو جاتا ہے، شیطان ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ انسان سب کچھ کرے؛ مگر توبہ نہ کرے، توبہ کی کثرت انسان کو اولیاء و مشائخ کی صف میں کھڑا کر دیتی ہے۔

توبہ تین چیزوں کا مجموعہ ہے: ایک جو گناہ سرزد ہو جائے اُس پر دل سے ندامت وشرمندگی ہو، دوسرے یہ کہ جو گناہ ہوا اُسے فوراً چھوڑ دے، تیسرے یہ کہ آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزمِ مُصَمَّم ہو، ان تین چیزوں کے مکمل ہونے پر توبہ کی تکمیل ہوتی ہے، ایک مسلمان کو کثرتِ توبہ واستغفار کے ذریعہ اپنے دلوں سے معصیت کے زنگ کو زائل کرتے رہنا چاہیے؛ کیوں کہ توبہ کا دروازہ ابھی کھلا ہوا ہے، فرمانِ الٰہی ہے اے ایمان والو! اللہ کی طرف سب مل کر توبہ کرو، شاید کہ تم فلاح پا جاؤ۔(۳)

موجودہ دعا میں ”من التوابین“ کا لفظ جمع کے صیغہ کے ساتھ وارد ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں توبہ کرنے والے ہمیشہ موجود رہیں گے، ہمیں یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ تم اپنے آپ کو ”التوابین“ میں شامل ہونے کی دعا کرو، تمھاری دنیا و آخرت بہتر ہو جائے گی اور اِس دعا کی برکت سے تمھیں توبہ کرنے کی توفیق بھی مل جائے گی یعنی مذکورہ دعا میں، توبہ کی توفیق کی جانب لطیف اشارہ ہے۔

مفتی تقی عثمانی صاحب زید مجدہ کے افادات میں ہے:
وضو کے ذریعہ صغیرہ گناہ تو معاف ہوگئے؛ لیکن کبیرہ گناہوں کے بارے میں قانون یہ ہے کہ وہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے؛ اِس لیے اِس موقع پر یہ دعا تلقین فرمائی کہ اے اللہ میرے بڑے بڑے گناہ ابھی باقی ہیں، ان

(۱) بقرہ،۲:۲۲۲ (۲) ترمذی، رقم:۲۴۹۹ (۳) نور،۲۴:۳۱

سے پاک ہونے کے لیے اے اللہ! مجھے توبہ کی توفیق عطا فرمایئے۔
اور "التوابین" مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے بہت توبہ کرنے والے، اِس میں اشارہ ہے کہ اے اللہ! میں اِس وقت تو توبہ کرلوں گا اور آپ میری مغفرت بھی فرمادیں گے؛ لیکن اس کے بعد بھی مجھے اپنے اوپر بھروسہ نہیں ہے، نہ جانے کب دوبارہ پھسل جاؤں اور پھر دوبارہ گناہ میں مبتلا ہوجاؤں، اگر ایسا ہوجائے تو اے اللہ! مجھے دوبارہ توبہ کرنے کی توفیق دیجیے گا۔
علاوہ ازیں "توّاب" کے معنی ہیں لوٹنے والا اور بہت رجوع کرنے والا، اب دعا کا مطلب یہ ہوا کہ اے اللہ مجھے ان لوگوں میں سے بنا دیجیے جو ہر وقت آپ سے رجوع ہوتے ہیں، ان کو جب بھی کوئی مسئلہ پیش آتا ہے تو آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں، یہ دعا اس وقت کی جارہی ہے جب آدمی ابھی وضو سے فارغ ہوا ہے اور وضو کے دوران بھی دعا پڑھتا رہا ہے، اب یہ دعا کررہا ہے؛ تاکہ ہر وقت اللہ سے اس کا رابطہ ورشتہ قائم رہے۔(۱)

والمتطهرین

اللہ تعالیٰ کو جیسے توبہ کرنے والے پسند ہیں ویسے ہی گندگی سے بچ کر، طہارت ونظافت کا اہتمام کرنے والے بندے بھی پسند ہیں، یہی طہارت درحقیقت قربتِ الٰہی کی کنجی ہے، اسلام میں طہارت اور پاکیزگی کی بڑی اہمیت ہے، جو شخص اپنا بدن اور لباس پاک صاف رکھتا ہے، اُس کے

خیالات وجذبات اورعقائد بھی پاک صاف ہو جاتے ہیں، پاک صاف انسان اپنے آپ کو بری عادات مثلاً فضول خرچی، حسد، کینہ اور بے حیائی وغیرہ سے بچاتا ہے، اسی کو اعمال کی طہارت کہتے ہیں، ایسے انسان کی دعائیں قبول اور عبادات مقبول ہوتی ہیں، اِسی لیے رسول اللہ ﷺ نے جہاں ایک طرف **الطہور شطر الإیمان** کے ذریعہ طہارت کے تعلق سے اسلامی نقطۂ نظر کو واضح کیا

---

(۱) اسلام اور ہماری زندگی: ۱۰/۱۳۲

وہیں دوسری طرف آپ ﷺ خود بھی ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی صفائی اور پاکیزگی کا بہترین نمونہ تھے۔

المتطهرين، طہارت مصدر سے بنا ہے اور طہارت کے لغوی معنی ہیں: گندگی اور میل کچیل سے پاک وصاف ہونا اور شرعاً طہارت کہتے ہیں: پانی یا مٹی کے ذریعہ حدثِ اصغر یا حدثِ اکبر کو دور کرنا، پہلے کو وضو اور دوسرے کو غسل کہتے ہیں، امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

> اہلِ بصیرت نے آیات وروایات کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ زیادہ اہم معاملہ باطن کی طہارت کا ہے؛ کیوں کہ یہ بات بعید از عقل ہے کہ **الطهور نصف الإيمان** کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ نے صرف ظاہری طہارت کو نصف ایمان بتایا ہو؛ بلکہ ایمان کا تعلق باطنی طہارت سے ہے، باطنی نجاستوں سے انسان آلودہ رہے، حدیث کی یہ مراد ہرگز نہیں؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ طہارت کے چار مراتب ہیں اور ہر مرتبے میں جتنا عمل ہے، طہارت اس عمل کا نصف ہے۔
>
> ۱- ظاہری بدن وغیرہ کو نجاست اور گندگی سے پاک کرنا۔
>
> ۲- اعضاء کو گناہوں اور خطاؤں سے پاک کرنا۔
>
> ۳- دل کو اخلاقِ رذیلہ اور عاداتِ خبیثہ سے پاک کرنا۔
>
> ۴- باطن (دل) کو خدا تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز سے پاک کرنا، یہ چوتھی طہارت انبیاء اور صدیقین کے ساتھ مخصوص ہے، آگے لکھتے ہیں:
>
> وہ شخص جس کی چشمِ بصیرت ان درجاتِ طہارت کے مشاہدہ سے محروم

ہو، وہ صرف ظاہری طہارت کو طہارت سمجھتا ہے؛ حالاں کہ ظاہری طہارت اور طہارت کے دوسرے درجات میں وہی نسبت ہے جو مغز اور پوست میں ہوتی ہے، اِسی لیے سلف صالحین قلب کی طہارت کا زیادہ اہتمام کرتے تھے۔(۱)

---

(۱) احیاء علوم الدین:۱/۱۲۶

بہرحال "**من المتطھرین**" کے ذریعہ ہمیں یہ پیغام دیا جارہا ہے کہ ظاہری اور باطنی طہارت کی فکر کرنے والے بندگانِ خدا میں اپنے آپ کو شامل کرنے کی دعا کا اہتمام کرنا نہ صرف ضروری ہے؛ بلکہ یہی مطلوب ہے، اب ذرا سوچیے دن رات میں پانچ مرتبہ مذکورہ دعا پڑھی جائے اور مضمون کا استحضار رکھا جائے تو یقیناً ہمیں بھی وہ تقویٰ وطہارت مل جائے گی جس کی ایک کامل مسلمان کو تلاش رہتی ہے۔

امام راغب اصفہانیؒ نے لکھا ہے کہ قرآن کی آیت **إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ** میں توبہ سے مراد گناہوں سے اجتناب ہے اور **تطھر** سے مراد اعمالِ صالحہ کا امتثال ہے، اور توبہ کو مقدم کرکے اس جانب اشارہ ہے کہ گناہوں سے اجتناب کا مرتبہ اور مقام، نیک کام کرنے سے زیادہ ہے؛ کیوں کہ دفعِ مضرت جانبِ منفعت پر مقدم ہوتا ہے، مذکورہ دعا میں اِس تفسیر کو بھی پیش نظر رکھنا ممکن ہے۔(۱)

اشکال وجواب

اِسی تفصیل سے وہ اشکال بھی دور ہوجاتا ہے کہ جب وضو سے طہارت حاصل ہوگئی تو پھر اس کے بعد حصولِ طہارت کی دعا کس لیے کی جارہی ہے؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ پہلے پانی سے ظاہری طہارت حاصل کی گئی اور اب باطنی طہارت کے حصول کی دعا ہے یعنی دعا کرنے والا یہ درخواست کررہا ہے کہ اے اللہ مجھے ان لوگوں میں شامل فرمادیجیے جو کفر وشرک اور ہر قسم کے اخلاقِ ذمیمہ ورذیلہ سے مامون ہیں۔

معمولی کام پر غیر معمولی انعام

رحمتِ خداوندی بہانہ ڈھونڈھتی ہے، روایت میں ہے کہ جو شخص کامل وضو کرنے کے بعد مذکورہ دعا کا اہتمام کرے گا تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جائیں گے، وہ جس دروازے سے جانا چاہے جاسکتا ہے، اب غور کیجیے عمل کتنا معمولی ہے: ہم نے صرف وضو کیا اور دعا پڑھی اور اِس کے بدلہ میں انعام کتنا قیمتی دیا جارہا ہے، اور ایسا اِس لیے ہے؛ کیوں کہ مذکورہ

(۱) تفسیر الراغب الاصفہانی: سورہ بقرہ: ۲۲۲

دعا کے دو حصے ہیں: ایک شہادتین کا اقرار جو دخولِ جنت کی بنیاد ہے **من مات و هو يعلمُ أنه لا إله إلا الله دخل الجنة** (۱) اور دوسرے حصے کے ذریعہ **إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ** (۲) پر عمل کرایا جارہا ہے، مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ توابین اور متطہرین سے محبت فرماتے ہیں، ہم بھی یہ درخواست کررہے ہیں کہ ہمارا شمار انھیں توابین اور متطہرین میں کیا جائے، اِس کا صاف مطلب یہی ہے کہ ہمیں بھی توابین و متطہرین سے محبت ہے، اور اللہ کی محبت سے محبت کرنا عین ایمان ہے، پس اس کا بدلہ جنت تو ہونا ہی چاہیے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے چند ایسی خوبیوں کا تذکرہ کیا ہے جن کی وجہ سے انسان صفتِ حیوانیت وبہیمیت سے دور ہوکر صفت مَلَکیت (فرشتوں والی صفت) سے قریب ہوجاتا ہے، طہارت ونظافت بھی ان خوبیوں میں سے ایک خوبی ہے جس کے اہتمام کی وجہ سے جنت عطا کی جائے گی۔ (۳)

مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

جنت کی حقیقت نفس کی راحت ہے، جنت میں پہنچنے پر عالَم بالا سے نفس پر یہ بات مترشح ہوگی کہ اللہ پاک اس سے خوش ہیں، اس کے کام مَلَکیت کے مناسب ہیں، اور اُس کو وہاں دل جمعی نصیب ہوگی، سورہ آل عمران آیت ۱۰۷ میں ہے کہ ''قیامت کے دن جن لوگوں کے چہرے سفید (روشن) ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے'' رحمت، جنت اور اس کی تمام نعمتوں کو شامل ہے، اور یہی دستانِ رحمت کا حال سورۃ البقرۃ آیت ۱۱۶ میں بیان کیا گیا ہے کہ ''ان پر اللہ کی،

فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہوگی اور وہ اس لعنت میں ہمیشہ رہیں گے“ جہنم اور اس کی ہر تکلیف، لعنتِ خداوندی کا نتیجہ ہے۔

اور جنت اُن لوگوں کے حصہ میں آئے گی جو بہیمیت کے چنگل سے چھُٹ گئے ہیں اور انھوں نے اعمالِ صالحہ کے ذریعہ مَلَکیت کو قوی کرلیا

(۱) مسلم، رقم:۲۶ (۲) البقرۃ:۲:۲۲۲ (۳) حجۃ اللہ البالغۃ:۲/۶۵

ہے، اور بہیمیت کی تاریکیوں سے رحمت کی طرف نکلنے کی راہ یہ ہے کہ آدمی اپنے اندر وہ خوبیاں پیدا کرے جو ظہورِ مَلَکیت کی راہ ہموار کرتی ہیں اور بہیمیت کو مغلوب کرتی ہیں اور اُن خصال کی تحصیل کچھ مشکل نہیں؛ کیوں کہ وہ انسان کے خمیر میں گوندھی ہوئی ہیں، ایسی چند خوبیاں (۱) ہیں:

پہلی خوبی-خشوع وطہارت- جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرتے ہیں اور پاکی کا اہتمام کرتے ہیں ان کو نماز کا خصوصی ذوق حاصل ہوتا ہے؛ کیوں کہ نماز کی روح اِخبات وخشوع ہے اور پاکی نماز کے لیے شرط ہے ایسے لوگوں کو جنت میں ”بابِ نماز“ سے بلایا جائے گا۔(۲)

جنت کے سب دروازے کھل جانے کی وجہ

طہارت کی روح اس وقت بدست آتی ہے جب دو چیزیں پائی جائیں: ایک نفس پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے، دوسری، پوری کوشش کر کے خوب اچھی طرح پاکی حاصل کرے؛ چناں چہ وضو میں اِسباغ (۳) کا حکم دیا، دوسری چیز کو حاصل کرنے کے لیے اور پہلی چیز کو حاصل کرنے کے لیے یہ دعا تلقین فرمائی؛ تا کہ بندے کی اللہ کی طرف توجہ تام ہو جائے، اور دخولِ جنت اس طہارت کا ثمرہ اور نتیجہ ہے جو نفس کی جڑ میں پیوست ہو چکی ہے؛ چناں چہ حدیث میں طہارتِ بالغہ اور توجہ اِلی اللہ کے مجموعہ پر اِس کو مرتب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اس کے لیے جنت کے سبھی دروازے کھول دیے جائیں گے، جس سے چاہے جنت میں جائے۔(۴)

(۱) دوسری خوبی سماحت یعنی سیر چشمی: اِس خوبی والوں کو جنت میں ”باب صدقہ“ سے بلایا جائے گا، تیسری خوبی-بہادری- ایسے لوگوں کے لیے بابِ جہاد مقرر ہے، چوتھی خوبی- بہیمیت کو زیر کرنا- مثلاً روزہ رکھنا اور اعتکاف کرنا

دغیرہ، ایسے لوگوں کے لیے "باب الریّان" مقرر ہے، مذکورہ چاروں خوبیوں کا تذکرہ آں حضرت ﷺ نے تفصیل سے کیا ہے، ان کے علاوہ اسی قبیل کی چند خوبیاں یہ ہیں: پہلی خوبی- فقاہت- دوسری خوبی- صبر ورضا- تیسری خوبی- عدل وانصاف- چوتھی خوبی- توکل بخدا- مکمل تفصیل کے لیے رحمۃ اللہ الواسعہ کا مطالعہ ضروری ہے۔

(۲) رحمۃ اللہ الواسعہ: ۴/۳۶۴

(۳) اسباغ کے معنی کامل کرنا، یعنی اعضاء کو تین تین بار دھونا مثلاً آدمی بیمار ہے یا سردی کا زمانہ ہے یا پانی کم ہے یا کوئی اور بات ہے جس کی وجہ سے پانی استعمال کرنے کو جی نہیں چاہ رہا ہے، پھر بھی وضو کامل کیا جائے، اس کی بڑی فضیلت ہے، اللہ اس کی وجہ سے گناہوں کو مٹاتے ہیں اور درجات کو بلند کرتے ہیں۔ (۴) رحمۃ اللہ الواسعہ: ۳/۱۷۹

جنت کے کتنے دروازے ہیں

سورۃ الحجر آیت ۴۴ میں جہنم کے سات دروازوں کا تذکرہ ہے **لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِّكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ** یعنی جہنم کے سات دروازے ہیں، ہر دروازے کے لیے جہنمیوں کے الگ الگ حصے ہیں، اور جنت کے دروازوں کا اجمالی تذکرہ قرآن کریم میں آیا ہے، تعداد مذکور نہیں ہے، سورۃ الزمر آیت ۷۳ میں ہے: **وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا** یعنی جب جنتی گروہ گروہ بنا کر جنت کی طرف روانہ کیے جائیں گے تو جنت کے دروازے پہلے سے کھلے ہوں گے، البتہ احادیث میں اس کی صراحت ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں (۱) یعنی جہنم سے ایک دروازہ زائد ہے، یہی حکمتِ خداوندی کا مقتضا ہے کہ جس طرح جہنم کے دروازے ہیں اور جہنمیوں کے الگ الگ حصے ہیں، اسی طرح جنت کے بھی دروازے ہوں اور جنتیوں کے بھی الگ الگ حصے ہوں، اور ایک دروازے کی زیادتی اس لیے ہے کہ رحمت غضب پر غالب ہے۔

فائدہ: سابقین میں سے جو لوگ بلند پایہ ہیں ان کے لیے نیکوکاری اور اعمالِ صالحہ کی زیادتی دو، تین اور چار دروازے بھی کھولتی ہے اور وہ قیامت کے دن متعدد دروازوں سے بلائے جائیں گے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے تو یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ ان کو جنت کے سبھی دروازوں سے بلایا جائے گا۔ (۲)

شبہات وجوابات

۱- "اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جائیں گے" حدیث کے اس

حصہ پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ وضو کرنے والا تو اِس دنیا میں بیٹھا وضو کر رہا ہے، نماز پڑھ رہا ہے، اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھلنے سے کیا فائدہ جب کہ ان کا تعلق آخرت سے ہے؟ اِس کے کئی

---

(۱) جنت کے دروازوں کے نام یہ ہیں: (۱) باب الصلاۃ (۲) باب الجہاد (۳) باب الریّان (۴) باب الصدقۃ (۵) باب الحج (۶) باب الکاظمین والعافین عن الناس (۷) باب المتوکلین (۸) باب الذکر یا باب العلم، مستفاد: فتح الباری: ۲۱ر۷ باب فضل أبی بکر بعد النبی ﷺ

(۲) رحمۃ اللہ الواسعہ: ۴ر۴۸-۴۹، فیض الباری: ۳ر۳۲۵

جوابات ہیں:

۱- اِس سے مراد روزِ جزاء اور بدلے کا دن ہے۔

۲- ابھی سے دروازوں کا کھول دیا جانا اِس میں وضو کرنے والے کا اعزاز واکرام مقصود ہے، اس کے لیے جنت پہلے سے تیار ہے۔

۳- موت کا امکان ہر وقت موجود ہے؛ اِس لیے یہ عین ممکن ہے کہ یہ وضو اس کا آخری وضو ہو اور حدیث کی مراد یہ ہو کہ اگر وضو کرنے والا وضو سے فراغت کے بعد متصلا وفات پا جائے تو وہ اپنے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھلے پائے گا۔(۱)

۴- دخولِ جنت کے لیے تو ایک ہی دروازہ کافی ہے، آٹھوں دروازے کھلنے سے کیا فائدہ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اِس میں وضو کرنے والے کا احترام مقصود ہے جیسے شاہی محل میں داخل ہونے کے لیے عام لوگوں کے لیے تو ایک دروازہ کھلا رہتا ہے؛ لیکن بادشاہ کی آمد پر محل کے سارے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، اب بادشاہ جس دروازے سے چاہے داخل ہوسکتا ہے۔(۲)

خلاصۂ کلام

آپ ذرا تصور کریں کہ جو انسان دن میں پانچ مرتبہ وضو کرے گا اور مذکورہ دعائیں پڑھے گا تو کیا اللہ ایسے بندے کو معاف نہیں کریں گے اور کیا ایسے بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نورانیت وروحانیت عطا نہیں کی جائے گی، ضرور عطا کی جائے گی وہ تو ارحم الراحمین ہیں، اگر

ایک بیٹا اپنے ماں باپ سے روزانہ دن میں پانچ مرتبہ ایک درخواست کرے اور وہ درخواست بیٹے کے لیے فائدہ مند بھی ہو تو کیا کوئی ماں باپ ایسے ہوں گے جو اس کی درخواست رد کردیں؟ ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ تو ماں باپ سے کہیں زیادہ رحیم وکریم ہیں، مہربان ہیں وہ کیسے بندے کی اِس دعا کو رد فرمادیں گے، ان شاء اللہ یہ دعائیں قبول ہوں گی، اور پھر اس کی دنیا وآخرت سنور جائے گی۔

(۱) حقائق سنن بحذف: ۲۶۲/۱ (۲) حوالہ سابق

(۸) مسجد میں داخل ہونے کی دعا

حضرت ابو اُسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِکَ. (۱)

بعض روایتوں میں مذکورہ دعا سے پہلے بسم اللہ اور درود (صلاۃ وسلام) کا اضافہ بھی ہے (۲) اِس لیے مناسب ہے کہ یوں دعا (۳) پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ والصلاةُ والسلامُ عَلَى رسولِ الله اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِکَ.

BISMILLAHI,WAS'SALATU,WASSALAMU,A'LA,RASULILLAH,
AL'LAHUMMAFTAH'LEE,ABWABA,RAH'MATIK

ترجمہ: اللہ کے نام سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام (رحمتِ کاملہ) نازل ہو، اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیجیے۔

تشریح: وضو سے فراغت کے بعد انسان مسجد مں داخل ہوتا ہے، شریعت نے اِس موقع پر بھی مسلمانوں کو تہذیب سکھلائی ہے، اسلام نے مسجد کو مسلم معاشرہ کا مرکز ومحور قرار دیا ہے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو سب سے پہلے جس چیز کا خیال آیا وہ

مسجد کی تعمیر ہی تھی، چاہیے تو یہ تھا کہ سب سے پہلے اپنے گھر کی فکر کرتے اور کاشانۂ نبوی کی تعمیر ہوتی؛ لیکن ایسا نہیں کیا؛ بلکہ قیمتاً زمین خرید کر صحابہ کرامؓ کے ساتھ خود بھی تعمیرِ مسجدِ نبوی میں شریک رہے، اگر ہم مسجد کی عظمت واہمیت کو معلوم کرنا چاہیں تو قرآن وحدیث میں اس تعلق سے اچھا خاصا

(۱) صحیح مسلم، رقم:۱۳۰۷

(۲) ایسی روایتوں کے لیے علامہ نووی کی ''الأذکار:۱/۳۱'' اور ابن قیمؒ کی زاد المعاد:۲/۷۳۲ اور حدیث کی کتابیں: مصنف ابن ابی شیبہ، فیض القدیر اور ابن ماجہ وغیرہ کے متعلقہ ابواب دیکھیں۔

(۳) مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پاؤں اور نکلتے وقت بایاں پاؤں بڑھانا چاہیے (الأذکار:۱/۳۱)

مواد ملتا ہے، اللہ تعالیٰ کو مساجد اتنی محبوب ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مساجد کو تمام جگہوں سے افضل قرار دیا ہے اور مسجد کی تعمیر پر جنت میں ایک گھر کا وعدہ فرمایا ہے، اسی لیے مساجد کو شعائرِ اسلام، جنت کے باغات، ملت کی شناخت، نزولِ رحمت کی علامت اور امن ومحبت کا مرکز اور اتحاد واتفاق کا ماویٰ اور اشاعتِ اسلام کا گھر ہونے کی حیثیت حاصل ہے، اور اسی لیے روزانہ مسجد میں نماز باجماعت کو ضروری قرار دیا گیا اور جمعہ وعیدین کے موقع پر ایک بڑے اجتماع کو لازم قرار دیا گیا۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو صبح یا شام مسجد گیا اللہ تعالیٰ اس کے لیے بہشت کی مہمانی تیار کرتے ہیں، جب بھی وہ صبح یا شام جاتا ہے۔(۱)

جنت کی مہمانی سے مراد جنت کی نعمتیں ہیں اور ''جب بھی وہ صبح یا شام جاتا ہے'' اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسجد کی ہر بار کی حاضری ملکیت کو بہیمیت پر غالب کرتی ہے یعنی ہر حاضری میں بہیمیت کا زور ٹوٹتا ہے اور ملکیت ابھرتی ہے اور بندہ جہنم سے دور اور جنت سے قریب ہوتا ہے، غرض جس طرح تنکا تنکا مل کر چٹائی بنتی ہے اسی طرح یہ بار بار کی حاضری مل کر بہیمیت کو ملکیت کے قابو میں کرتی ہے۔(۲)

نماز کے اوقات میں کاروبار اور گھر والوں کو چھوڑ کر نماز ہی کے ارادے سے مسجد کا رخ کرنا دین میں اخلاص اور دل کی تھاہ میں انقیادِ خداوندی کا پتہ دیتا ہے اور اسی وجہ سے مسجد میں نماز ادا کرنے پر پچیس گنا زیادہ ثواب ملتا ہے اور مسجد کی جماعت کو بلا وجہ چھوڑ کر گھر یا دوکان پر تنہا نماز

پڑھنے پر سخت ترین وعیدیں وارد ہوئی ہیں؛ بہر حال مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مسجد کوئی معمولی گھر نہیں ہے؛ بلکہ وہ خانۂ خدا ہے؛ پس اُس میں داخلے کے کچھ آداب ہونے ہی چاہییں، دربارِ الٰہی کی حاضری، عام دربار کی طرح نہیں ہونی چاہیے؛ چناں چہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے مسجد کی حاضری کے لیے ایک اہم دعا تلقین فرمائی ہے؛ تاکہ جہاں ایک طرف دربارِ الٰہی کی عظمت کا اظہار ہو، وہیں دوسری طرف مسجد جانے والے مسلمانوں کا دامن، رحمتِ الٰہی اور خیر وبھلائی سے بھر جائے۔

---

(۱) بخاری، رقم: ٦٦٢ (۲) رحمۃ اللہ الواسعہ: ۳/۳۴۱

دعا کی حکمت اور پیغامِ نبوی

مذکورہ دعا کے تین ٹکڑے ہیں: (۱) بسم اللہ (۲) درود وسلام (۳) رحمت کے دروازے کھولنے کی درخواست۔

۱- سب سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی تعلیم دی گئی؛ تاکہ اِس کے ذریعہ اِس بات کا اقرار ہوجائے کہ میرا مسجد میں آنا محض اللہ تعالیٰ کی توفیق کی وجہ سے ہے؛ پس میں اسی کا نام لے کر اور اُس کی نعمت کا اِقرار اور اُس کی توفیق کا سہارا لے کر مسجد میں داخل ہو رہا ہوں، علاوہ اَزیں ہر اَہم کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنا اسلامی تہذیب کا حصہ ہے اور نماز کے لیے مسجد میں داخل ہونا بھی ایک کام ہے، پس اِس موقع پر بسم اللہ پڑھنا قرینِ قیاس بات ہوگی، بسم اللہ کی مزید حکمت اور تفصیل کے لیے ''ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھا کیجیے'' کا مطالعہ کرلیا جائے۔

درود وسلام کا تحفہ

۲- (الف) تحفہ درود وسلام ایک عبادت، ایک اعزاز اور حضور ﷺ کا حق ہے، اِس کائنات میں ایک مومن کا سب سے بڑا محسن، نبی پاک ﷺ کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا، حضور ﷺ کی پوری زندگی اِس فکر اور غم میں گذری کہ میری امت کا ایک ایک فرد عذابِ جہنم سے بچ جائے اور جنت میں داخل ہوجائے، تنہا یہی احسان اتنا بڑا ہے کہ زندگی اور زندگی کے سارے لمحات اُن پر

قربان کردیے جائیں تو حق ادا نہ ہوگا؛ تاہم کوشش کرنی چاہیے، ایک امتی اتنا تو کرسکتا ہے اور کرنا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حق بھی ہے کہ جب بھی موقع ملے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کا ہدیہ پیش کرے اور اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے، ہمیں سلامتی کی ضرورت ہے، ہم محتاج ہیں، ہمارے درود اور ہمارے سلام کی ضرورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تو وہ ذات ہے کہ خود خالقِ کائنات اور اس کے معصوم فرشتے اُن پر درود وسلام بھیجتے ہیں، ضرورت تو ہمیں ہے، ہم درود وسلام ایک بار بھیجیں گے، وہاں سے دس مرتبہ سلامتی کی دعا ملے گی، اور اس دعاءِ سلامتی کی قبولیت میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا، ایمان خطرے میں پڑ جائے گا؛ اِسی لیے درود وسلام کے پڑھنے پر فضائل اور ترک پر وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

ربِ کائنات کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيماً .(۱)

(بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر، اے ایمان والو! تم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو)

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت کے ساتھ درود پڑھیں اور خوب سلام بھیجیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کے لیے عربی میں لفظ "صلاۃ" سے مشتق الفاظ مستعمل ہوتے ہیں اور سلام کے لیے "سلام" سے مشتق الفاظ استعمال ہوتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کا طریقہ وہی ہے جو ہم آپس میں کرتے ہیں؛ چناں چہ روایت میں ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ، سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہے یعنی التحیات میں جو پڑھا جاتا ہے "السلام علیک أیها النبي ورحمة الله وبركاته" "صلاۃ" کا طریقہ بھی بتادیجیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے **اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد** اخیر تک درود شریف ارشاد فرمایا۔(۲)

یہ اِعزاز صرف سید الکونین کو حاصل ہے، اللہ تعالیٰ نے "صلاۃ" کی نسبت اولاً اپنی طرف کی، اس کے بعد فرشتوں کی طرف پھر عام مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ بھی درود بھیجیں اور اِس کے ساتھ ساتھ "سلام" بھی کثرت سے بھیجیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سے احکام بیان کیے ہیں؛

لیکن یہ نہیں فرمایا کہ میں بھی یہ کام کرتا ہوں، درود کو ایک ایسا اعزاز حاصل ہے کہ اللہ نے فرمایا میں بھی یہ کام کرتا ہوں اور فرشتے بھی؛ البتہ ہمارے درود اور اللہ کے درود میں فرق ہے، اللہ کے درود بھیجنے کا مطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود تک پہنچانا ہے اور فرشتوں کے درود کا مطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات کی زیادتی کی دعا کرنا ہے اور حضور کی امت کے لیے استغفار کرنا، اور مومنین کے درود کا مطلب، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اُن کے ساتھ محبت اور اُن کے اوصاف جمیلہ کا تذکرہ اور تعریف۔(۳)

مسجد میں داخل ہونے سے پہلے درود وسلام پڑھنا اُسی حکم کی تعمیل کا ایک اہم حصہ ہے۔

(ب) دوسری بات یہ کہ جس نیکی کے کرنے کی توفیق ہو رہی ہے وہ درحقیقت سرکارِ

(۱) الاحزاب،۳۳:۵۶ (۲) بخاری، رقم:۶۳۵۷ (۳) روح المعانی:۲۵۲/۱۱

دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تلقین کا نتیجہ ہے؛ بلکہ پورا دین اور دنیا و آخرت کی کامیابی کا راز آپ سے ہی معلوم ہوا، اگر آپ کی تعلیمات نہ ہوتیں اور آپ کی رہنمائی نہ ہوتی تو نہ ہمیں ہدایت نصیب ہوتی اور نہ ہی ہمیں مسجد تک آنا نصیب ہوتا؛ پس اِس درود کے ذریعہ اِس بات کا اقرار و اعتراف ہے کہ میں جو مسجد کے دروازے تک پہنچا یہ درحقیقت سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا احسانِ عظیم ہے۔(۱)

(ج) چوں کہ مساجد، ذکر کے مراکز ہیں اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنا بھی ایک ذکر ہے؛ پس مرکزِ ذکر میں داخل ہونے سے پہلے ذکر کرنا، ذکرِ حقیقی کی جانب رغبت اور شوق کی علامت ہے۔(۲)

(د) بندے جب درود وسلام کا تحفہ بھیجتے ہیں تو فرشتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچاتے ہیں، غالب گمان یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس ہدیہ وتحفہ کا جواب دیں گے؛ کیوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی کا یہ معمول رہا ہے، آپ آئے ہوئے ہدیہ کا کوئی نہ کوئی بدلہ کسی بھی عنوان سے ضرور عطا فرمایا کرتے تھے، اب اِس دنیا میں اس کا بدلہ دینا تو ممکن نہیں ہے؛ البتہ عالَم آخرت میں اِس کا یہ بدلہ ہوسکتا ہے کہ آپ اِس درود وسلام بھیجنے والے امتی کے حق میں دعا فرمائیں کہ جس طرح اِس بندے نے مجھے ہدیہ بھیجا اے اللہ اس بندے کی حاجتیں پوری فرمادیں اور اس کی پریشانیاں دور فرمادیں، اس کی مغفرت فرما کر اپنی رحمت سے نوازدیں اور جب مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا ہمیں ملے گی تو یقین مانیے اِس کے نتیجے میں مسجد میں داخل ہونے کے بعد ایسی عبادت

کرنے کی توفیق ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہوگی۔(۳)

دعا کا تیسرا ٹکڑا

بسم اللہ اور درود وسلام کے بعد رحمت کے دروازے کھول دیے جانے کی درخواست کی جارہی ہے؟

۱- بندہ مومن عرض گزار ہے کہ مسجد کا دروازہ تو میرے لیے کھلا ہوا ہے اور میں اُس میں

---

(۱) حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجہ:۱/۲۵۹

(۲) التیسیر بشرح الجامع الصغیر:۱/۹۲

(۳) اسلام اور ہماری زندگی:۱۰/۱۴۷، اسلام کا نظامِ سلام ومصافحہ:۲۸۹

داخل ہورہا ہوں؛ لیکن میرا مسجد کے اندر داخلہ اُسی وقت کارآمد اور مفید ہوسکتا ہے جب اے اللہ! آپ میرے لیے رحمت کے دروازے کھول دیں؛ ورنہ مسجد میں تو فاسق وفاجر بھی داخل ہوتے ہیں، تماشائی بھی داخل ہوتے ہیں، محض سیر وتفریح کرنے والے بھی داخل ہوتے ہیں؛ حتی کہ غیر مسلم بھی داخل ہوجاتے ہیں؛ لیکن اے اللہ! میں مسجد میں اِس آرزو کے ساتھ داخل ہورہا ہوں کہ میرا یہ داخلہ آپ کی رحمت کے دروازے کھولنے کا سبب بنے۔

۲- اے اللہ میں مسجد میں داخل ہورہا ہوں، کہیں میں اپنی طبیعت کی ناپاکی کی وجہ سے عبادت کے بجائے کسی اور غلط کام میں مشغول نہ ہوجاؤں مثلاً مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا، شوروغل کرنا یا خرید وفروخت کرنا؛ چوں کہ یہ سب احتمالات موجود ہیں؛ لہٰذا اے اللہ! پہلے ہی قدم پر میں آپ سے دعا کررہا ہوں کہ میرا مسجد میں داخلہ آپ کی رحمت کے دروازے کھولنے کا سبب بن جائے؛ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اس وقت کو ضائع کردوں اور غلط کاموں میں برباد کردوں۔(۱)

۳- مسجد کی تعظیم ضروری ہے پس جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اس کو یہ احساس ہونا چاہیے کہ وہ کسی محترم جگہ میں داخل ہورہا ہے، اِس احساس کو بیدار کرنے کے لیے مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا تلقین کی گئی ہے۔(۲)

رحمت کی مختلف قسمیں ہیں

انسان اللہ کی رحمت کا احاطہ نہیں کرسکتا، اللہ کی رحمت کے مختلف عنوان ہیں اور مختلف

قسمیں ہیں اور ہر قسم کا ایک دروازہ ہے، دنیا کے اندر نازل ہونے والی رحمتیں علیحدہ ہیں، قبر میں نازل ہونے والی رحمتیں الگ ہیں، آخرت میں نازل ہونے والی رحمتیں علیحدہ ہیں اور پھر دنیا میں نازل ہونے والی رحمتوں کی کئی قسمیں ہیں: مثلاً صحت، رزق، گھر مکان اور آل اولاد یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہیں، دعا میں ''باب'' کے بجائے ''اَبواب'' کہنے کی حکمت یہی ہے کہ اے اللہ میں آپ کی رحمت کی تمام قسموں کا محتاج ہوں اور میں ان سب کے دروازے کھولنے کی دعا کرتا ہوں۔(۳)

لمحۂ فکریہ

آج مسلمان مذکورہ دعا کی اہمیت وافادیت سے غافل ہیں، مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ

---

(۱) اسلام اور ہماری زندگی: ۱۰/۱۴۹ (۲) رحمۃ اللہ الواسعہ: ۳/۳۴۶ (۳) اسلام اور ہماری زندگی: ۱۰/۱۴۸

ایسا ہے جسے یہ دعا یاد ہی نہیں اور جنھیں یاد ہے وہ عادۃً اور رسمی طور سے یہ دعا پڑھ لیتے ہیں، دعا کا پورا پس منظر اور پیغامِ نبوی ذہن میں نہیں ہوتا، ہماری اسلامی ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم مذکورہ دعا کے پیغام کو سمجھیں، دوسروں کو سمجھائیں اور اُس پر استحضار اور اخلاص کے ساتھ عمل کریں، مسجد میں داخل ہوتے وقت مذکورہ دعا نہ پڑھنے یا اِس کے پس منظر کو مستحضر نہ رکھنے کا منفی نتیجہ یہ نکلا کہ ہم مسجد میں داخل تو ہو جاتے ہیں؛ لیکن ہمیں تحیۃ المسجد(۱) اذکار اور تلاوتِ قرآن کی توفیق نہیں ملتی؛ بلکہ فارغ وقت میں دنیاوی گفتگو اور موبائل کی بے جا اور منفی مصروفیت میں لگ جاتے ہیں، کبھی ہم نے سوچا ایسا کیوں ہوتا ہے؟ آج مساجد کا منظر دیکھ لیا جائے ایسا لگتا ہے جیسے مساجد کوئی عام جگہ ہیں، جہاں انسان صرف اپنے نفس کے تقاضوں پر عمل پیرا ہوتا ہے، کبھی آپ مساجد میں موجود لوگوں کا تجزیہ کریں، کچھ بندگانِ خدا ذکر، سنن ونوافل یا تلاوت میں مصروف ہوتے ہیں یا پھر سنجیدگی ومتانت کے ساتھ خاموش جماعت کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں، اُن کے بالمقابل ایک طبقہ ایسا بھی نظر آئے گا جو دنیاوی گفتگو، لہو ولعب، شوروغل اور اِدھر اُدھر تانک جھانک میں مصروف ہوتا ہے، راقم الحروف کے نزدیک یہ تقابلی منظر دعا کے پڑھنے، سمجھنے اور نہ پڑھنے یا نہ سمجھنے کے اثرات ہیں، اللہ ہمیں عقل سلیم عطا فرمائے۔

---

(۱) مسجد میں داخل ہونے کے بعد اگر کوئی مانع نہ ہو تو بیٹھنے سے پہلے تحیۃ المسجد کی دو رکعت پڑھنی چاہیے، یہ بندوں کا رب

المسجد کو سلام کرنے کا طریقہ ہے۔

تحیۃ المسجد سے متعلق چند مسائل: جو شخص مسجد میں پہنچ کر بیٹھ جائے، پھر کھڑا ہو، اور دو رکعت پڑھے تو یہ بھی تحیۃ المسجد ہے، بیٹھنے کی وجہ سے تحیۃ المسجد فوت نہیں ہوتا: البتہ زیادہ دیر تک بیٹھنے سے تحیۃ المسجد کا وقت ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور تھوڑے اور زیادہ وقت کی تعیین، رائے مبتلی بہ پر چھوڑ دی گئی ہے، صحیح ابن حبان میں حضرت ابوذرؓ کی یہ حدیث ہے کہ ایک مرتبہ وہ تحیۃ المسجد پڑھے بغیر بیٹھ گئے آں حضور ﷺ نے دریافت فرمایا أرکعت رکعتین کیا تم نے تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھ لیں؟ حضرت ابوذر نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا قم فارکعهما اٹھو اور دو رکعتیں پڑھو، صحیح ابن حبان میں اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے، بیٹھنے سے تحیۃ المسجد کا وقت فوت نہیں ہوتا۔ (تحفۃ الالمعی: ۱۳۲/۲)

اور جو شخص عصر یا فجر کے بعد یا اوقات ثلاثہ ممنوعہ میں مسجد پہنچے تو وہ تحیۃ المسجد نہ پڑھے، اس طرح اگر جماعت شروع ہوگئی ہو یا شروع ہونے والی ہو تو بھی تحیۃ المسجد نہ پڑھے۔ (ایضا)

جو شخص خطبہ جمعہ کے دوران آئے وہ تحیۃ المسجد نہ پڑھے، خطبہ سننا ضروری ہے۔ (تحفۃ الالمعی: ۳۷۸/۲)

نوٹ: حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت شاہ صاحب نے تحیۃ المسجد کی تین حکمتیں لکھی ہیں: =

(۹) مسجد سے نکلنے کی دعا

جب مسجد سے باہر نکلنے کا ارادہ ہو تو یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ. (۱)

BISMILLAHI,WAS'SALTU,WASSALAMU,A'LA,RASULILLAH,
AL'LAHUMMA,INNEE,AS,ALUKA,MIN,FAZLIKA

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ سے آپ کے فضل کا سوال کرتا ہوں۔

تشریح، حکمت اور پیغام نبوی

بسم اللہ اور صلاۃ وسلام کی تشریح پیچھے آچکی ہے، یہاں صرف آخری حصے کی تشریح لکھی جاتی ہے، قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ "رحمت" کا لفظ خاص طور سے روحانی اور اُخروی نعمتوں

= پہلی وجہ: یہ ہے کہ مسجد میں پہنچ کر بھی – جو کہ خاص نماز ہی کے لیے تیار کی گئی ہے – نماز میں مشغول نہ ہونا محرومی اور افسوس

کی بات ہے۔

دوسری وجہ: مسجد میں آدمی فرض نماز ادا کرنے کے لیے پہنچتا ہے اور تحیۃ المسجد یک محسوس چیز کے ذریعہ فرض کی رغبت متعین کرنے کے لیے مشروع کی گئی ہے، یعنی دو رکعتیں پڑھنے سے فرض کی رغبت محسوس ہو کر سامنے آجائے گی۔

تیسری وجہ: یہ ہے کہ یہ مسجد کے احترام کے لیے ہے، مسجد کو اللہ تعالیٰ سے یک خاص نسبت ہے اور اسی وجہ سے اس کو خانہ خدا کہتے ہیں، پس اس کا یہ حق ہے کہ اس کا احترام کیا جائے اور تحیۃ المسجد اسی حق کی ادائیگی کے لیے ہے۔

(رحمۃ اللہ الواسعہ :۳/۲۵۳-اسلام کا نظامِ سلام ومصافحہ، ص:۱۵۷)

تحیۃ المسجد پڑھنے کے بعد جماعت کھڑی ہونے میں دیر ہو تو ذکر میں مشغول رہنا چاہیے، ایسے موقع پر سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر کثرت سے پڑھنا چاہیے، یہ کلمات پڑھنا ایسا ہے جیسے جنت کے پھل کھانا یعنی آخرت میں ان کلمات کی وجہ سے پھل ملیں گے، اگر تحیۃ المسجد کا وقت نہ ہو تو ان اذکار کو پڑھ لینا چاہیے، ان شاء اللہ تحیۃ المسجد کی فضیلت سے محرومی نہیں ہوگی۔ (ترمذی، رقم:۳۵۰۹)

(۱) صحیح مسلم، رقم:۱۳۷، مصنف ابن ابی شیبہ:۳۴۱۲، تحفۃ الذاکرین بعدۃ الحصن الحصین:۱/۴۹؛

کے لیے بولا جاتا ہے جیسے کہ نبوت، ولایت، مقامِ قرب و رضا اور نعماءِ جنت وغیرہ؛ چناں چہ سورہ زخرف آیت نمبر۳۲ میں فرمایا گیا ہے: **وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ**. اور فضل کا لفظ خصوصیت کے ساتھ دنیوی نعمتوں کے لیے بولا جاتا ہے جیسے رزق کی وسعت اور خوشحالی کی زندگی وغیرہ؛ چناں چہ سورہ جمعہ آیت نمبر۱۰ میں فرمایا گیا ہے: **فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ**. جب نماز سے فراغت ہو جائے تو اللہ کی زمین میں چل پھر کر اللہ کے فضل کی تلاش وجستجو میں لگ جاؤ، (جس سے تمھاری دنیوی اور معاشی ضرورتیں پوری ہوں) پس مسجد چوں کہ ان اعمال کی مخصوص جگہ ہے جن کے صلہ میں روحانی اور اُخروی نعمتیں ملتی ہیں؛ اِس لیے مسجد میں داخلہ کے وقت کے لیے فتحِ ابوابِ رحمت کی اور مسجد سے نکلنے کے وقت کے لیے اللہ سے اس کا فضل مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔(۱)

مسجد سے نکلنے کے بعد فضل کی ضرورت

عبادت انجام دینے کے بعد آدمی مسجد سے باہر نکلے گا تو باہر اُس کو دنیاوی ضروریات پیش آئیں گی اور اُن ضرورتوں کو پورا کرنا اُس کی ذمہ داری ہے؛ لہٰذا اِس موقع پر یہ دعا مانگی جا رہی ہے کہ اے اللہ! میں اب کاروبارِ زندگی میں نکل رہا ہوں اور معرکۂ حیات میں داخل ہو رہا ہوں، اے اللہ!

اِس معرکۂ حیات میں مجھے اپنا فضل عطا فرمایئے، آپ کا رزق حلال مجھے حاصل ہو، میرے کاموں میں نور ہو، اِس فضل میں دنیا کی ساری نعمتیں آگئیں، اگر کوئی تاجر ہے تو اس ''فضل'' میں اُس کی تجارت کی کامیابی آگئی، اگر کوئی ملازم ہے تو اس کی ملازمت کا رزق حلال اس میں آگیا، اگر کوئی کاشت کار ہے تو اس کی فصل کی خوبی اس کے اندر آگئی اور اِس کے علاوہ دنیا کی جتنی نعمتیں ہوسکتی ہیں مثلاً: صحت کی نعمت، خوشحالی کی نعمت، گھر والوں کی خوشحالی کی نعمت اور اپنے درمیان اتفاق اور اتحاد کی نعمت وغیرہ، یہ سب نعمتیں اِس دعا کے اندر آگئیں؛ اِس لیے اگر یہ چھوٹی سی دعا ایک مرتبہ بھی اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوجائے تو دنیا کی ساری مصیبتیں دور ہوجائیں، اللہ توفیق دے۔(۲)

---

(۱) معارف الحدیث: ۱۳۵/۵

(۲) اسلام اور ہماری زندگی بحذف واضافہ: ۱۰/۶۱

فضلِ الٰہی سب کچھ ہے

اِس دعا میں لطیف اشارہ اِس جانب ہے کہ دنیا میں فضلِ الٰہی کے بغیر اسباب وذرائع میں تاثیر پیدا نہیں ہوسکتی، یعنی مسجد سے باہر انسان جب اسبابِ معیشت اختیار کرے تو یہ نہ سوچے کہ ہمارا سرمایہ، ہماری محنت، ہماری دوکان، ہماری تگ ودو، ہماری ملازمت اور ہماری مہارت ہی سب کچھ ہے؛ بلکہ اُسے یہ فلسفہ یاد دلایا جارہا ہے کہ اسباب میں بذاتِ خود تاثیر موجود نہیں ہے؛ بلکہ ان اَسباب کے ساتھ جب فضلِ الٰہی شامل ہوتا ہے تب اُن میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، آپ غور کرلیں ایک ہی طرح کے دو کسان ہیں ایک ہی طرح کی دو ڈِگریاں ہیں، ایک ہی طرح کے دو مزدور ہیں وغیرہ وغیرہ لیکن دونوں کی کمائی اور معیشت میں فرق ہوجاتا ہے، اِس فرق کی وجہ فضلِ الٰہی کا شاملِ حال ہونا یا نہ ہونا ہوتا ہے؛ پس دنیاداری میں مشغولی سے پہلے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کو یاد کرو اور اس کے حصول کی درخواست کرو، ورنہ کچھ حاصل نہیں ہوگا اور اگر حاصل ہوگیا تو برکت نہیں ہوگی۔

خلافِ شرع کاموں سے حفاظت کی دعا

انسان جب تک مسجد میں رہتا ہے، عموماً خلافِ شرع کاموں اور گناہوں سے محفوظ رہتا

ہے؛ لیکن جب وہ مسجد سے باہر آتا ہے تو قدم قدم پر خلافِ شرع کاموں کے ارتکاب کا اندیشہ لگا رہتا ہے اور موجودہ دور میں تو فتنوں، گناہوں اور خلافِ شرع امور کی بہتات ہے، ایک شریف اور دیندار انسان کا بازار اور سڑکوں سے گذرنا مشکل ہوتا جارہا ہے، اپنے دامن کو، اپنی نگاہ کو اور اپنے جذبات واحساسات کو محفوظ رکھنا دشوار ہوتا جارہا ہے، دین بیزاری کے اِس دور میں اِس دعا کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے یعنی مسجد سے نکلتے وقت ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ایمان واخلاص کی حفاظت کے لیے اللہ سے دعا کرے، اِس کے لیے وہ اللہ کا نام لے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجے اور فضلِ الٰہی کا خواستگار بنے، آج مسجد سے نکلتے وقت مذکورہ دعا نہ پڑھنے کی وجہ سے ایسے حالات پیدا ہوگئے یا ہو رہے ہیں کہ خارجِ مسجد ایک مسلمان تجارت ومعیشت اور ملازمت کے تعلق سے ایسے اسباب اختیار کرتا جارہا ہے جو عند الشرع حرام یا ناجائز یا مکروہ ہیں، وہ اپنی دوکان پر بیٹھا ہوا جھوٹ بول دیتا ہے، گاہک کو دھوکہ دیتا ہے، کسی کو بے وقوف بنادیتا ہے، امانت میں خیانت کرتا ہے، اور دنیا کے لوگ بھی یہی سمجھتے ہیں کہ مسلمان جب تک مسجد میں ہوتے ہیں مسلمان رہتے ہیں اور جب مسجد سے باہر آتے ہیں تو اسلام کا لباس اتار دیتے ہیں، آپ نے دیکھا ہوگا بہت سی غیر مسلم عورتیں اپنے بچوں کی صحت کی خاطر مسجدوں کے دروازوں پر کھڑی رہتی ہیں؛ تاکہ نمازی جب باہر آئیں تو بچے پر پھونک ماردیں؛ لیکن وہی عورتیں کبھی اُس نمازی کی دوکان یا مکان پر نہیں جاتیں کہ میرے بچے پر دم کردو، وہ سمجھتی ہیں کہ یہ دوکان ومکان پر وہ سارے کام کرتا ہے جو اسے نہیں کرنا چاہیے، بہرحال مسجد سے نکلتے وقت مذکورہ دعا کی تعلیم اِس مقصد سے بھی ہے کہ انسان یہ درخواست کرے اور ہمت کرے کہ اے اللہ جیسے آپ نے ہمیں مسجد میں گناہوں سے محفوظ رکھا، مسجد سے باہر بھی اپنے فضل وکرم سے محفوظ رکھیے گا۔

روحانی رزق کی درخواست بھی

علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ فضلِ الٰہی سے مراد مشہور قول کے مطابق ''رزق حلال'' ہے؛ لیکن ایک رائے یہ بھی ہے کہ فضلِ الٰہی سے مراد ''طلبِ علم'' ہے، اور یہ معنی مراد لینا خلافِ لغت بھی نہیں ہے؛ کیوں کہ علم بھی اللہ تعالیٰ کے رزق کا حصہ ہے؛ اِس لیے کہ رزق کا اطلاق جیسے بدنی

اور جسمانی غذا پر ہوتا ہے ویسے ہی اس کا اطلاق روحانی غذا پر بھی ہوتا ہے۔

فإن العلم هو من رزق الله؛ لأن الرزق لا يختص بقوت الأبدان بل يدخل فيه قوت الأرواح والأسماع وغيرها. (١)

اس معنی کے اعتبار سے بھی مذکورہ دعا نہایت اہمیت کی حامل ہے، گویا انسان کو دینی علم کے حصول کی فکر کرنی چاہیے؛ کیوں کہ یہی دینی علم، صحیح عمل کی بنیاد ہے، معرفتِ الٰہی کا سبب ہے اور اتباعِ سنت کی کنجی ہے، طلبۂ کرام کو مذکورہ دعا کے وقت اس کا استحضار رکھنا بہت ضروری ہے، بہر حال دخولِ مسجد کے وقت اگر ہمیں رحمتِ الٰہی اور خروجِ مسجد کے وقت فضلِ الٰہی یا علمِ الٰہی حاصل ہو جائے - اور اخلاص واستحضار کے ساتھ پڑھنے سے یہ چیزیں ضرور حاصل ہوں گی - تو ہماری آخرت اور ہماری دنیا دونوں سنور جائیں گی، اللہ توفیق دے۔

---

(١) نیل الاوطار: ١٨١/٢

(١٠) سورج نکلتے وقت کی دعا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی خادمہ سے پوچھا ذرا دیکھ سورج نکل چکا؟ اس نے دیکھ کر بتایا کہ ہاں سورج نکل چکا تو حضرت ابن مسعودؓ نے یہ دعا پڑھی۔

الحمدُ لِلهِ الَّذِيْ أَ قَالَنَا يَوْمَنَا هٰذَا وَلَمْ يُهْلِكْنَا بِذُنُوْبِنَا. (١)

ALHAMDU,LILLAHI,LLAZEE,AQAALANAA,YAUMANAA HAAZAA, WA LAM YUHLIKNAA BEZUNOOBINAA

ترجمہ: تمام حمد وثنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جس نے ہمارے لیے ہمارا یہ دن روشن کر دیا اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہمیں ہلاک اور برباد نہیں کیا۔

تشریح، حکمت اور پیغام نبوی

صبح کو بیدار ہونے اور وضو و نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد مسجد یا گھر میں بیٹھنے کے دوران یا

مسجد سے گھر آنے کے دوران سورج طلوع ہوتا ہوا نظر آئے یا طلوع ہونا معلوم ہو تو مذکورہ دعا کی تعلیم دی گئی ہے، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے طلوع آفتاب کی خبر پا کر مذکورہ دعا پڑھی تھی اور یقیناً سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوگی، مذکورہ دعا کے دو حصے ہیں: ایک دن کی روشنی ملنے پر شکرِ الٰہی، دوسرے: اپنے جرم کے باوجود سزا نہ ملنے پر حمدِ باری۔

۱- رات اور دن اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی نشانیوں میں سے ایک ہے، رات اور دن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی گوناگوں مخلوق اور خاص کر انسانوں کے عظیم الشان فوائد اور طرح طرح کے منافع وابستہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے رات کو تاریکی سے مربوط کیا؛ تاکہ مخلوقِ خدا سکون و آرام حاصل کر سکے اور دن کو روشنی اور اجالے سے جوڑ دیا؛ تاکہ کاروبارِ معاش بھی ہو سکے اور لوگ دن کے اجالے میں اپنے رزق اور روزی کی طلب و تلاش میں نکل سکیں، اللہ رب العزت نے قرآن کریم

---

(۱) صحیح مسلم، رقم: ۸۲۲

میں کئی مقامات پر "اختلاف اللیل والنھار" کا فلسفہ پیش کیا ہے، ارشاد ہے: إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ. (۱) یعنی عقل مند آدمی جب آسمان و زمین کی پیدائش اور ان کے عجیب و غریب احوال و روابط اور دن رات کے مضبوط و محکم نظام میں غور کرتا ہے تو اس کو یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ سارا مرتّب و منظّم سلسلہ ضرور کسی ایک مختارِ کل اور قادرِ مطلق فرماں روا کے ہاتھ میں ہے جس نے اپنی عظیم قدرت و اختیار سے ہر چھوٹی بڑی مخلوق کی حد بندی کر رکھی ہے۔ (۲)

بہر حال ہمارا کاروبارِ معاش اور ہماری معاشی دوڑ دھوپ دن کے اجالے سے مربوط ہے اور دن کی روشنی کو اللہ تعالیٰ نے سورج سے مربوط کیا ہے، پس سورج جو مرکزِ روشنی ہے اس کا طلوع ہونا یقیناً ایک بہت بڑی نعمت ہے، پس اِس نعمت کے حصول پر شکرِ الٰہی، یقیناً ہم انسانوں کا فریضہ ہونا چاہیے، اِس شکر کا فائدہ ہمیں یوں ملے گا کہ ہماری روزی روٹی اور دن کی مصروفیات میں برکت ہوگی؛ کیوں کہ اللہ کا شکر ادا کرنا نعمتوں میں اضافہ کا سبب ہوتا ہے لئن شکرتم لأزیدنکم.

۲- انسان رات کو سوتا ہے، بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ انھیں دن کی روشنی

نصیب نہیں ہوتی، وقتِ مقرر آجانے کی وجہ سے رات میں ہی اُن کی روحیں قبض کرلی جاتی ہیں، یا موت کا وقت نہیں آیا؛ لیکن رات میں نیند کے وقت روح جزوی طور پر جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے، اب جب کہ رات گذر گئی اور صبح ہوگئی اور سورج کی روشنی ہمیں نظر آرہی ہے، اِس سے معلوم ہوا کہ الحمدللہ یہ رات میرے لیے موت کا پیغام نہیں لائی اور مجھے اللہ تعالیٰ نے زندگی کا ایک دن مزید عطا فرمادیا ہے؛ پس معلوم ہوا کہ دن کا نصیب ہونا بھی ایک نعمت ہے اور نعمت پر شکریہ ادا کرنا بندگی کا تقاضا ہے؛ پس الحمدللہ، اور یہ نعمت اِس لیے ہے کہ ہمیں ایک دن اور ایک موقع اور مل گیا کہ ہم اپنے گناہوں سے توبہ کرلیں، اپنی پچھلی تاریک زندگی کو روشن کرلیں، اگر رات کو موت آگئی ہوتی اور ہمارے نامہ اعمال میں ایسے گناہ لکھے ہی رہ جاتے جن پر اللہ تعالیٰ پکڑ فرمائیں گے تو ہمارا بڑا نقصان ہوتا، چلیے آج کا دن ہمیں مل گیا، ہم توبہ واستغفار بھی کرلیں گے، جن کے حقوق ہمارے ذمہ ہیں اُن کی ادائیگی کی فکر کرلیں گے۔ (۳)

---

(۱) آل عمران،۳:۱۹۰ (۲) تفسیرِ عثمانی (۳) تلخیص: اسلام اور ہماری زندگی: ۱۰/۱۶۷

۳- سورج پرست کفار طلوعِ شمس کے وقت، سورج کی پرستش کرتے ہیں؛ چوں کہ اِسلام میں غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں؛ اِسی لیے طلوعِ شمس کے وقت شریعت نے نماز جیسی اہم عبادت کو عبادتِ شیطان کے مترادف قرار دیا؛ تا کہ یہ شبہ نہ ہو کہ مسلمان سورج کی پرستش کرتے ہیں، مذکورہ دعا میں یہ پیغام بھی ہے کہ جب ہم سورج کو طلوع ہوتا ہوا دیکھیں تو اللہ کا شکر ادا کریں کہ اُس نے ہمیں اِس دن کی روشنی دکھائی؛ لیکن ہمیں سورج کی پرستش سے محفوظ رکھا؛ ورنہ ہلاکت وبربادی ہمارا مُقدّر رہوتی۔

ولم يهلكنا بذنوبنا

انسان اپنی زندگی نیکی اور گناہ کے درمیان گذارتا ہے، نیکیوں پر ثواب اور گناہوں پر سزائیں مُقرّر ہیں، گناہوں کی وجہ سے دنیاوی واُخروی، اِنفرادی اور اِجتماعی نقصانات ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ روحانیت متاثر ومتزلزل ہوجاتی ہے، جیسے تقویٰ ہر نعمت وخوشحالی کی بنیاد ہے

ویسے ہی معصیت اور گناہ ہر آفت، مصیبت اور بیماریوں کا سبب ہے، انسان پر آنے والی ہر مصیبت اُس کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے جو وہ اللہ کے حق میں کوتاہی کرتا ہے، اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور محرّمات کے پیچھے چل پڑتا ہے، اُمم سابقہ کا جائزہ لے لیں: قومِ عاد کو طوفانی ہواؤں سے نیست و نابود کر دیا گیا تو قومِ ثمود کو ایک ایسی چیخ کے ذریعہ ہلاک کیا گیا کہ اس سے ان کے کلیجے پھٹ گئے، قومِ شعیب کو آگ کے انگاروں سے تہس نہس کیا گیا اور قومِ لوط کو پتھروں کی بارش سے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا، یہ ساری قومیں اپنی مختلف بداعمالیوں کی وجہ سے ہلاک و برباد ہوئیں۔

اگرچہ امتِ محمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے سرکارِ دو عالم ﷺ کے طفیل یہ خصوصیت بخشی ہے کہ اِس امت پر کوئی ایسا عذابِ عام نہیں آئے گا جو پوری امت کو ایک ہی مرتبہ ہلاک کر دے؛ لیکن جزوی عذاب آسکتے ہیں مثلاً: زلزلے، صورتوں کا مسخ کیا جانا، سیلاب اور طوفان کا آنا وغیرہ۔

مذکورہ دعا میں یہ تعلیم دی جا رہی ہے کہ تم اپنے آپ کو گناہوں سے پاک صاف مت سمجھو، تمھارے انفرادی یا اجتماعی گناہ اتنے اور ایسے ہیں کہ ان کی وجہ سے تمھیں ہلاک کر دینا چاہیے تھا؛ لیکن تمھیں ہلاک نہیں کیا گیا، اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت اور صفتِ غفران اور صفتِ ستّاریت نے تمھیں بچا لیا، یہ اللہ کا تمھارے اوپر ایک بڑا انعام ہے، پس تمھیں اپنے رب کا شکریہ ادا کرنا چاہیے، نیز اِس دعا میں لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ اِس دعا کے ذریعہ بندہ اپنے گناہوں کا اقرار کر رہا ہے اور یہ عرض کر رہا ہے کہ میں اپنے گناہوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے مستحقِ ہلاکت ہوں، مجھے ہلاک کر دیا جانا چاہیے تھا؛ لیکن اے ہمارے رب! آپ نے ایسا نہیں کیا ہم آپ کے شکرگذار ہیں اور آئندہ گناہوں سے پرہیز کریں گے، اِسی اقرارِ جرم کی وجہ سے نیکیوں کی توفیق ملتی ہے۔

انسانی زندگی پر گناہوں کے اثرات

علامہ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب ''الداء والدواء'' میں انسانی زندگی پر گناہوں کے اثرات تفصیل سے بیان کیے ہیں، مثلاً علم سے محرومی، رزق سے محرومی، وحشت کا احساس، معاملات میں تنگی، دل کی تاریکی و کمزوری، اطاعت سے محرومی، عمر میں کمی، مزید گناہوں کی جانب رجحان،

نحوست، عزت وآبرو کا خاتمہ، غفلت ولعنت کا سبب، فساد فی الارض کا ذریعہ، خسف ومسخ کا سبب، غیرت کا فقدان، شرم وحیا کا خاتمہ، اللہ کی تعظیم میں کمی، رحمتِ الٰہی سے محرومی وغیرہ۔ (۱)

اِس تفصیل کی روشنی میں یہ عرض کیا جا سکتا ہے کہ انسانی زندگی پر جب گناہوں کے اتنے سارے اثرات ہوتے ہیں تو یقیناً یہ ہلاکت وبربادی ہی ہے، مذکورہ دعا کے ذریعہ یہ اقرار کرایا جارہا ہے کہ اللہ نے ان سارے اثرات سے تمھیں بچالیا ہے؛ پس تم شکرِالٰہی بجالاؤ، اور اِس میں یہ دعوت بھی ہے جب نیا دن مل ہی گیا ہے تو اِس دن کو اللہ کے سامنے توبہ کرنے اور اُس کے احکام کے مطابق زندگی گذارنے میں صَرف کیا جائے، اگر اِس مضمون کو ذہن میں رکھا جائے اور روزانہ طلوعِ شمس کے وقت مذکورہ دعا پڑھی جائے تو ایک طرف ہم شکر گزار بندے شمار ہوں گے اور دوسری طرف گناہوں سے پرہیز کرنے والے ہوں گے، شریعت یہی تو چاہتی ہے، گویا یہ دعا بھی نظامِ حمد وشکر کا حصہ ہے، اللہ توفیق دے۔

---

(۱) الداء والدواء: ۱/۱۳۲

(۱۱) صبح کے وقت پڑھنے کی دعا

حضرت براء بن عازب رضی اللہ سے مروی ہے کہ جب صبح ہوجاتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: ہم نے اور ساری کائنات نے اللہ کے حکم سے صبح کی، تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں (پھر یہ دعا پڑھتے)

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الْيَومِ، وَخَيْرَ مَا بَعْدَهُ. (۱)

ALLAHUMMA, INNEE, AS'A'LUKA, KHAIRA HAAZAL,YAUM, WA KHAIRA,MA,BA'DAHU

ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے اِس دن کی اور اِس دن کے بعد آنے والے زمانے کی خیر مانگتا ہوں۔

تشریح، حکمت اور پیغام

مناسب اور بہتر ہے کہ جب سورج ذرا بلند ہو جائے اور مکروہ وقت ختم ہو جائے تو مذکورہ دعا پڑھ لی جائے، اگر کوئی اِشراق کا پابند ہے تو نمازِ اشراق کے بعد یہ دعا پڑھ لے، صبح کے وقت سرکارِ دوعالم ﷺ سے مختلف دعاؤں کا پڑھنا ثابت ہے، عزیمت وہمت کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ ساری دعائیں یاد کی جائیں اور پڑھی جائیں، بلاشبہ اُن میں دنیا وآخرت کی بھلائی کا راز مضمر ہے؛ لیکن ہم عجمیوں کے لیے عربی زبان خود ایک مسئلہ ہے، ان ساری دعاؤں کا یاد کرنا مشکل ہے؛ اِس لیے کم از کم ان دعاؤں میں سے ایک جامع دعا ہی پڑھ لی جائے، اللہ نیتوں کو دیکھتے ہیں، مذکورہ دعا میں ''خیر'' کی درخواست کی گئی ہے، جس کے معنی ہیں بھلائی، حسنِ سلوک، حسنِ عمل، بہتری اور صلاح وفلاح، مال ودولت، قرآن کریم میں لفظ خیر مختلف معانی کے لیے مستعمل ہے:

۱- بمعنی مال، اللہ کا ارشاد ہے: **إِنْ تَرَكَ خَيْراً**. (۱) علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں لفظ خیر بالاتفاق مال کے معنی میں ہے۔

۲- بمعنی کھانا، حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے واقعہ میں ہے **رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ**. (۲) حضرت موسیٰؑ جب مصر سے مَدْیَن پہنچے، اس وقت انھوں نے سات روز سے کوئی غذا نہیں چکھی تھی، اُس وقت ایک درخت کے سایے میں آ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حالت اور حاجت پیش کی جو دعا کرنے کا ایک لطیف طریقہ ہے..... اِس جگہ ''خیر'' کھانے کے معنی میں ہے۔(۳)

۳- بمعنی قوت، اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ عرب کے بارے میں کہا ہے: **أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ**. (۴) (یہ لوگ (قوت وشوکت میں) زیادہ بڑھے ہوئے ہیں یا تبع (شاہِ یمن) کی قوم)

---

(۱) یہ یک لمبی دعا ہے، یاد کرنے میں آسانی ہو اِس لیے صرف اُس حصے کو دعا کا عنوان دیا گیا ہے، جس میں صبح کا مضمون ہے، باہمت وباحوصلہ حضرات پوری دعا پڑھ سکتے ہیں، کم ہمت لوگوں کے لیے مذکورہ مختصر دعا ان شاء اللہ کفایت کرے گی، پوری دعا یوں ہے: **أَصْبَحْنَا وَأَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الْيَوْمِ وَخَيْرَ مَا بَعْدَهُ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هٰذَا الْيَوْمِ وَشَرِّ مَا بَعْدَهُ، اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْكِبَرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ.** (حلیۃ الاولیاء: ۵/۲۷)

یہاں ''خیر'' سے مراد قوت وطاقت ہے۔

۴- عبادت وطاعت: **وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ.** (۵) اورہم نے ان کے پاس نیک کاموں کے کرنے اور (خصوصاً) نماز کی پابندی اور زکاۃ ادا کرنے کا حکم بھیجا، علامہ قرطبیؒ نے الخیرات کی تفسیر الطاعات سے کی ہے۔

۵- بمعنی اچھی حالت، اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کا اُن کی قوم کے ساتھ ہونے والے واقعہ کا جہاں تذکرہ کیا ہے وہاں فرمایا ہے: **إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ.** (۶) حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا: میں دیکھتا ہوں تم کو آسودہ حال۔

یہ چند آیات ہیں جن کی روشنی میں لفظِ خیر کی جامعیت کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے، مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> اِس دعا میں اپنی ذات اور ساری کائنات کے اوپر اللہ تعالیٰ کی ملکیت کا اقرار اور اس کی حمد وثنا کے ساتھ اس کی توحید کا اعلان ہے، پھر رات یا دن میں جو خیر اور برکتیں ہوں اُن کا سُوال ہے اور جو کمزوریاں، خیر

---

(۱) البقرۃ،۲: ۱۸۰ (۲) القصص،۲۸: ۲۴ (۳) معارف القرآن: ۶/ ۶۲۹

(۴) الدخان،۴۴: ۳۷ (۵) الانبیاء،۲۱: ۷۳ (۶) ھود،۱۱: ۸۴

> وسعادت سے محرومی کا سبب بن جاتی ہیں ان سے پناہ طلبی ہے......
> سبحان اللہ کیسی جامع دعا ہے۔(۱)

مفتی تقی عثمانی صاحب زید مجدہ کے افادات میں ہے:

> اِس دعا میں لفظ ''خیر'' بیان فرمایا، جس کے معنی ہیں ''بھلائی'' یہ اتنا جامع اور عام لفظ ہے کہ اِس میں دنیا اور آخرت کی ساری حاجتیں جمع ہو جاتی ہیں؛ لہٰذا جب یہ کہا کہ میں اِس دن کی بھلائی مانگتا ہوں تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ اس دن میں جو بھی واقعہ پیش آئے جو جو حالات پیش آئیں وہ میرے لیے خیر ہوں۔(۲)

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ مذکورہ دعا کے ذریعہ عبدیت، عاجزی اور محتاجگی کا اقرار کرایا جارہا ہے اور یہ ذہن نشیں کرایا جارہا ہے کہ تم روزانہ یہ اقرار کرو کہ خیر وشر کے سارے امور اللہ تعالیٰ کے

قبضۂ قدرت میں ہیں، بندہ کے اختیار میں کچھ بھی نہیں، اُسے تو یہ بھی نہیں پتا کہ میرے لیے ”خیر“ کہاں اور کیا ہے؟ ہوسکتا ہے کہ جسے وہ خیر سمجھ رہا وہ ”شر“ ہو، اِس لیے خیر کی درخواست بارگاہِ الٰہی میں پیش کرو، وہ سب کچھ جانتا ہے، علاوہ ازیں مذکورہ دعا میں امت کو یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ وہ دعا اور آدابِ دعا کو سیکھیں، اللہ سے مانگنا ہے تو پہلے اس کی حمد وثنا کرنی چاہیے۔ (۳)

خلاصہ یہ کہ مذکورہ دعا ایسی ہے کہ انسانی ضرورت کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو لفظ ”خیر“ میں نہ آگیا ہو، دن، تجارت ومعیشت، ملازمت ومزدوری اور طلبِ علم کے لیے ہے؛ پس ہر انسان اپنی مصروفیت کے اعتبار سے خیر کا طلب گار بن جائے، سرکارِ دوعالم ﷺ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ آپ نے ہمیں مانگنے کا طریقہ وسلیقہ بتادیا، ورنہ ہم اندھیرے میں رہتے۔

آج ہر انسان مادیت کی جانب رواں دواں ہے، مذکورہ دعا میں یہ تعلیم ہے کہ اگر تمھیں مال ودولت کی ضرورت ہے تو صبح کو مذکورہ دعا پڑھ لیا کرو؛ کیوں کہ خیر کا اطلاق مال پر بھی ہوتا ہے اور کس مال میں خیر ہے تمھیں نہیں معلوم اللہ کو معلوم ہے، پس اُسی سے مانگو، ورنہ ہوسکتا ہے کہ تم مال حاصل کرلو؛ لیکن خیر وبرکت سے محروم ہوجاؤ، ایسے ہی سارے معانی کو سمجھ کر مانگنا چاہیے، اللہ ہمت وحوصلہ کے ساتھ توفیق دے، جب تک دعا کے الفاظ یاد نہ ہوجائیں، اُن کا ترجمہ اور پیغام ہی مستحضر کرلینا چاہیے۔

---

(۱) معارف الحدیث: ۱۱۶/۵ (۲) اسلام اور ہماری زندگی: ۱۷۲/۱۰ (۳) مرقاۃ المفاتیح: ۱۶۵۱/۴

(۱۲) گھر سے نکلتے وقت کی دعا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی آدمی اپنے گھر سے نکلے (تو یہ دعا) پڑھ لے۔

بِسمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِاللهِ. (۱)

BISMILLAHI,TAWAKKALTU,ALALL'AH,LA'HAULA
WALAQOOWWATA ILLA BILLAH

ترجمہ: میں اللہ کا نام لے کر نکل رہا ہوں، اللہ ہی پر میرا بھروسہ ہے، کسی خیر کے حاصل کرنے یا کسی شر سے بچنے میں کامیابی اللہ ہی کے حکم سے ہوسکتی ہے۔

تشریح وفوائد

انسان روزانہ اپنی گھریلو ضروریات پوری کر کے بیرونی ضروریات کے لیے گھر سے باہر نکلتا ہے، کوئی ملازمت کے لیے تو کوئی تجارت کے لیے، کوئی طلبِ علم کے لیے تو کوئی پڑھانے اور دعوت وتبلیغ کے لیے، کوئی اشیاءِ خورودونوش خریدنے کے لیے تو کوئی بیچنے کے لیے: غرض اپنے گھر سے ہر کوئی روزانہ نکلتا ہے ایسے موقع پر اسلامی تعلیم وتہذیب بتائی گئی کہ ایک دعا پڑھ کر نکلو، تمھاری مراد پوری ہوگی اور کسی مصلحت کی وجہ سے مراد پوری نہیں ہوئی تو اس دعا کی برکت سے تمھاری مراد تمھارے لیے ذخیرۂ آخرت ہوجائے گی، اور اِسی دعا کی وجہ سے تم میں اور غیروں میں فرق ہوگا اور اِسی دعا کی وجہ سے کمالِ ایمان حاصل ہوگا اور اِسی دعا کی برکت سے نورانیت وروحانیت ملے گی۔

جو شخص مذکورہ دعا پڑھ لیتا ہے، اُس کے بارے میں روایت میں ہے کہ عالَم غیب میں اُس آدمی سے کہا جاتا ہے یعنی فرشتے کہتے ہیں اے بندۂ خدا! تجھے پوری رہنمائی مل گئی یعنی تو راہِ حق پر چلے گا، تیری حفاظت کا فیصلہ کردیا گیا یعنی تو اپنے دشمنوں سے اور نامناسب حالات وواقعات سے محفوظ رہے گا، اور شیطان مایوس ونامراد ہوکر تجھ سے دور ہوگیا یعنی وہ تجھے اور تیرے دل کو کوئی گزند نہیں پہنچاسکتا، غور فرمائیں ایک شخص اپنے گھر سے باہر جارہا ہے، قدم قدم پر نامناسب حالات

(۱) سنن ترمذی، رقم: ۳۴۲۶

پیش آسکتے ہیں، جسمانی یا روحانی نقصانات ہوسکتے ہیں، اس کی عدمِ موجودگی میں اُس کے گھر میں کوئی حادثہ پیش آسکتا ہے جیسا کہ آئے دن مشاہدہ ہوتا ہے، موجودہ پُرفتن اور پُرسازشی دور میں مذکورہ دعا کی اہمیت وافادیت دوچند ہوجاتی ہے۔

حکمت اور پیغامِ نبوی

مذکورہ دعا کے تین حصے ہیں: بسم اللہ، اللہ پر بھروسہ کرنا اور لاحول ولاقوۃ پڑھنا۔

۱- بسم اللہ کے ذریعہ یہ پیغام دیا جارہا ہے کہ انسان جب اپنے گھر سے کسی مقصد کے لیے نکلے تو اُسے ظاہری اسباب پر مکمل بھروسہ نہیں کرنا چاہیے اور اسے صرف ظاہری ذرائع سے مدد نہیں لینی چاہیے؛ بلکہ ایسے موقع پر حقیقی سہارا بھی لینا چاہیے اور حقیقی مدد اللہ کے نام کے علاوہ کہیں

سے نہیں ملتی؛ پس اُسے بسم اللہ پڑھ لینا چاہیے، پھر ظاہری اسباب اختیار کرنا چاہیے۔

۲- علامہ طیبیؒ لکھتے ہیں کہ انسان اپنے گھر سے باہر نکلتا ہے تو باہر فتنے منہ کھولے کھڑے ہوتے ہیں، اُسے گھر سے باہر ہدایت ورہنمائی کی سخت ضرورت ہے؛ پس شریعت نے اِس موقع پر اللہ کا نام لینا ضروری قرار دیا؛ تاکہ ہدایت ورہنمائی ہم دست ہو۔(۱)

بسم اللہ کے تعلق سے مزید تفصیلات ''ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھا کیجیے'' کے تحت دیکھیں۔

توکلت علی اللّٰہ

توکُّل قرآن پاک کی ایک اہم اصطلاح ہے جس کے لغوی معنی بھروسہ کے ہیں، اللہ پر اعتماد وتوکل ایک عظیم مقصد ہے اور اللہ کی طرف سے اپنے مومن بندوں کو اِس کا حکم ہے، توکل جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت میں اللہ پر سچے اعتماد کا نام ہے اور اِسی اعتماد کی بنیاد پر بندے کے حق میں فیصلے ہوتے ہیں، اللہ رب العزت نے ایک موقع پر اپنے پیارے رسول ﷺ کو عفو ودرگزر، استغفار اور خاص باتوں میں مشورہ لینے کا حکم دیا تو وہیں توکل واعتماد کرنے کا بھی حکم دیا، ارشاد ہے: فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ. (۲) پھر جب آپ رائے پختہ کرلیں تو خدا تعالیٰ پر اعتماد کیجیے، بے شک اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں، اِس آیت سے معلوم ہوا کہ باوجود تدبیر اور اسباب کے اللہ پر اعتماد اور بھروسہ رکھنا ہر مسلمان کے ذمہ فرض ہے۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۱۶۹۵/۴ (۲) آل عمران: ۳: ۱۵۹

۱- مذکورہ دعا میں اِسی فریضہ کی ادائیگی ہے؛ تاکہ اللہ ہم سے محبت کرنے لگیں اور ہمارا بیڑہ پار ہوجائے۔

۲- بندے کو گھر سے نکلتے وقت اپنا پورا معاملہ اللہ کے سپرد کردینا چاہیے؛ تاکہ مددِ الٰہی شاملِ حال رہے، اِسی توکل کے واسطہ سے اہم اُمور حل ہوں گے، جب آدمی گھر سے نکلتا ہے تو پیچھے اور آگے مختلف احوال پیش آتے ہیں اور مختلف لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے، اگر ہم اللہ پر بھروسہ نہ کریں تو ہماری حفاظت مشکل ہے؛ پس مذکورہ دعا تعلیم فرمائی گئی؛ تاکہ اِن سب خطرات سے حفاظت ہوجائے۔(۱)

۳- اِس مختصر حدیث کا پیغام اور روح یہ بھی ہے کہ جب بندہ گھر سے باہر قدم نکالے تو اپنی ذات کو بالکل عاجز، ناتواں اور خدا کی حفاظت ومدد کا محتاج سمجھتے ہوئے اپنے کو اس کی پناہ میں دے

دے، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی پناہ اور حفاظت میں لے لیں گے اور شیطان اسے کوئی گزند نہ پہنچا سکے گا۔(۲)

لا حول ولا قوۃ إلا باللّٰہ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تمھیں ایسا کلمہ نہ بتاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں، ضرور بتایئے، تو فرمایا: لاحول ولاقوۃ الاباللہ پڑھا کرو۔(۳)

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: مصائب ومشکلات میں اس کلمہ کے پڑھنے کی عجیب تاثیر ہے اور اسی طرح بادشاہوں کی دہشت اور فقر کے دفع کرنے میں بھی اس کلمہ کی اپنی ایک تاثیر ہے۔(۴)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ ننانوے بیماریوں کی دوا ہے اور سب سے چھوٹی بیماری دل کا غم ہے۔(۵)

ایک روایت میں ہے کہ شبِ معراج میں جب سرکارِ دوعالم ﷺ کی حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام سے ملاقات ہوئی تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ اپنی امت سے فرمادیں کہ وہ جنت میں خوب درخت لگائیں، آپ ﷺ نے پوچھا، جنت کے درخت کیا ہیں؟ فرمایا: لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔(۶)

یہ تین روایات اس لیے ذکر کی گئیں؛ تاکہ اس جملے کی اہمیت وفضیلت آپ کے سامنے

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۱۶۹۵/۴ (۲) معارف الحدیث: ۱۳۲/۵ (۳) بخاری، رقم: ۶۳۸۶ ے

(۴) الوابل الصیب: ۸/۱ ے (۵) المستدرک للحاکم، رقم: ۱۹۹۰ (۶) ترمذی، رقم: ۳۴۶۲

آسکے، اس جملے کا مطلب ہے کہ کسی کے اندر کوئی طاقت اور قوت نہیں ہے؛ مگر وہ اللہ کی دی ہوئی ہے، کسی شر سے بچنا اور کسی خیر کو پالینا یہ سب اللہ کے حکم سے ہی ہوتا ہے۔

۱- یعنی بندہ بارگاہِ الٰہی میں اپنی بے چارگی اور بے بسی کا اظہار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بے پایاں قدرت وطاقت کا اقرار کرتا ہے کہ اے اللہ! میں کچھ بھی نہیں، سب کچھ آپ کی توفیق اور عطا سے ہی ملتا ہے، مشکلات حل ہوتی ہیں، بلائیں دور ہوتی ہیں۔

۲- اوپر حضرت ابوھریرہؓ کی روایت آئی کہ مذکورہ جملہ پڑھنے سے ننانوے بیماریوں سے شفا حاصل ہوتی ہے، گھر سے نکلتے وقت مذکورہ دعا کی تلقین کے ذریعہ درحقیقت یہ پیغام دیا جارہا ہے کہ جسمِ انسانی میں لاتعداد بیماریاں ہیں جن کا بعض دفعہ انسان کو علم بھی نہیں ہوتا اور وہ اندر

ہی اندر پرورش پاتی رہتی ہیں، تم روزانہ یہ دعا پڑھ لیا کرو، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت ومشیت کے مطابق (اگر اس کی قسمت میں ان بیماریوں سے شفایاب ہونا لکھا ہے) اسے شفا عطا فرماتے ہیں؛ ورنہ یہ بیماریاں اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائیں گی۔

۳- اِس حقیقت سے کوئی انسان انکار نہیں کرسکتا کہ دنیا میں ہر امیر، غریب، نیک وبد کو قانونِ قدرت کے تحت دکھوں، غموں اور پریشانیوں سے کسی نہ کسی شکل میں ضرور واسطہ پڑتا ہے؛ لیکن وہ انسان خوش قسمت ہے جو اِس غم، دکھ اور پریشانی کو صبر اور حوصلہ کے ساتھ برداشت کرتا ہے، مذکورہ دعا صبر وحوصلہ خوب پیدا کرتی ہے۔

۴- گھر کے باہر شیاطینِ اِنس وجن منہ کھولے کھڑے ہیں، مذکورہ دعا کے ذریعہ ان سے حفاظت ہوگی، انسان کے سِفلی جذبات واحساسات پراگندہ نہیں ہوں گے، وہ روحانی امراض پیدا کرنے والے جراثیم سے محفوظ رہے گا۔(۱)

۵- یہ دعا اِس لیے تلقین کی گئی؛ تاکہ انسان کا رشتہ اور تعلق ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم رہے اور گھر سے نکلنا عبادت بن جائے، عادت کو عبادت بنانا شریعت کا خاص منشا ہے۔

فائدہ: لا حول ولا قوة إلا بالله ہر مسلمان کو یاد ہوتا ہے اور **بسم الله، وتوكلت على الله** کے مضامین اِس میں موجود ہیں؛ اِس لیے جب تک پوری دعا یاد نہ ہو، صرف لاحول ولاقوۃ اِلا باللہ بھی پڑھ سکتے ہیں یا پوری دعا گھر کے اندرونی دروازے پر چپکا دیں؛ تاکہ گھر سے نکلتے وقت دعا پڑھنا یاد رہے۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۴/۱۶۹۵

(۱۳) بازار جانے کی دعا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بندہ بازار جائے تو اسے (بازار کی غفلت اور شور وشر سے بھرپور فضا میں دل کے اخلاص سے) کہنا چاہیے۔

لا إلـه إلا الـلـه وحدَهُ لا شريكَ لـه، لَـهُ المُلْكُ ولَـهُ الحمدُ يُحْيِيْ ويُمِيْتُ، وهو حَيٌّ لاَ يَمُوتُ، بِيَدِهِ الخَيْرُ كلُّه، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيءٍ قَدِيرٌ. (۲)

LA,ILAHA ILLALLAH,WAHDAHU,LA SHAREEKA,

LAHU, LAHUL MULK,WALAHULHAMD,YUHYEE,
WA,YUMEET,WA,HUWA HAYYUN LLAYAMOOT,
BIYADIHILKHAIRU,KULLUH,WA,HUWA
A'LA,KULLI,SHAI,EN,QADEER.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی ساجھی نہیں، اُسی کی حکومت ہے اور اُسی کے لیے خوبیاں ہیں، وہ جلاتے اور مارتے ہیں، اور وہ ایسے زندہ ہیں جو کبھی نہیں مریں گے، اُن کے قبضۂ قدرت میں سارے خیر ہیں اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

تشریح

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے نزدیک محبوب ترین جگہ مساجد ہیں اور بدترین جگہ بازار ہیں (مسلم، رقم: ۶۷۱) اِسی لیے بلاضرورت بازار جانا منع ہے، وہاں گھومنا، بیٹھنا اور کھیل کود میں مشغول ہونا غیر اسلامی تہذیب ہے؛ لیکن زندگی کے لوازمات بازار میں ہی ملتے ہیں؛ اس لیے جب ضرورت ہو تو بازار جانا نہ صرف جائز ہے؛ بلکہ ضروری ہے، اِسلام ایک کامل اور جامع دستورِ حیات کا نام ہے؛ اِس لیے اُس نے اِس موقع پر اپنے ماننے والوں کی صحیح اور دینی رہنمائی فرمائی اور

(۱) ابن ماجہ، رقم: ۲۲۳۵

کہا کہ بازار جاؤ تو مذکورہ دعا پڑھ لیا کرو، اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ دعا پڑھنے والے کے لیے دس لاکھ(۱) نیکیاں لکھیں گے اور اُس سے دس لاکھ برائیاں مٹائیں گے اور اُس کے لیے دس لاکھ درجے بلند کریں گے اور اُس کے لیے جنت میں ایک حویلی بنائیں گے۔(۲) اللہ اکبر، کام معمولی درجہ کا؛ مگر انعام غیر معمولی اور شاہی درجہ کا، سبحان اللہ والحمد للہ۔

حکمت اور پیغامِ نبوی

۱- بازار بلاشبہ غفلت اور معصیت کے مراکز اور شیاطین کے اڈے ہیں، پس اللہ کا جو باتوفیق بندہ وہاں کی ظلمانی اور شیطانی فضاؤں میں ایسے طریقہ پر اور ایسے کلمات کے ساتھ اللہ کا

ذکر کرے، جن کے ذریعہ وہاں کی ظلمتوں کا پورا توڑ ہوتا ہو، وہ بلاشبہ اِس کا مستحق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اُس پر بے حد وحساب عنایت ہو، اُس کے لیے ہزار نیکیوں کا لکھا جانا، ہزاروں ہزار گناہوں کا محو کیا جانا اور ہزاروں ہزار درجے بلند ہونا اور جنت میں ایک شاندار محل عطا ہونا اُسی عنایتِ الٰہی کی تفصیلی تعبیر ہے۔

۲- بازار میں آدمی کی نگاہ کے سامنے طرح طرح کی وہ چیزیں آتی ہیں، جن کو دیکھ کر وہ خدا کو اور اپنے اور ساری دنیا کے فانی ہونے کو بھول جاتا ہے، یہ چیزیں اُس کے دل کو اپنی طرف کھینچنے لگتی ہیں، کسی چیز کو وہ سمجھتا ہے کہ یہ بڑی دلکش اور بڑی حسین ہے، کسی کو سمجھتا ہے کہ یہ بڑی نفع بخش ہے، کسی بڑے کامیاب تاجر یا صاحبِ دولت وحکومت کو دیکھ کر دل میں سوچنے لگتا ہے کہ اگر اس سے تعلق قائم کرلیا جائے تو سارے کام بن جائیں گے، بازار کی فضاؤں میں یہی وہ خیالات ووساوس ہوتے ہیں جو دلوں اور نگاہوں کو گمراہ کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اِس کے علاوہ اور تحفظ کے لیے ہدایت فرمائی کہ بازار جاؤ یہ کلمۂ توحید تمھاری زبانوں پر ہو۔ (۲)

۳- اِس دعا میں یہ پیغام ہے کہ دنیا کے بغیر تمھارا گزارہ نہیں ہے؛ اِس لیے دنیا تو برتو؛

(۱) روایت کے الفاظ ہیں **ألف ألفِ حسنة**، ہزار کو ہزار میں ضرب دیا جائے تو دس لاکھ کا عدد نکلتا ہے، بعض شارحینِ حدیث کی رائے یہ ہے کہ یہاں یہ لفظ مُعیَّن عدد کے لیے استعمال نہیں ہوا ہے؛ بلکہ غیر معمولی کثرت کے لیے کنایہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے، اِس کے مطابق ترجمہ ہوگا ''ہزاروں ہزار''

(۲) ابن ماجہ، رقم: ۲۲۳۵　　(۳) معارف الحدیث: ۱۳۸/۵ - مرقاۃ: ۱۶۸۷/۴

لیکن دنیا کے پیدا کرنے والے کو مت بھولو، اپنے قدم پھونک پھونک کر اٹھاؤ، دنیا کی محبت تمھارے دل میں غالب نہ ہونے پائے۔ (۱)

۴- بازار جاتے وقت مذکورہ دعا کے ذریعہ عام مومنین کو صالحین مومنین کی صف میں کھڑا کرنا مقصود ہے؛ تاکہ آہستہ آہستہ اُن میں صحابۂ کرام کی شان پیدا ہوسکے، اللہ کا ارشاد ہے: **رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ.** (۲) وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سودا کرنے میں اور نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے، یعنی معاش کے دھندے ان کو اللہ کی یاد اور احکامِ الٰہیہ کی بجا آوری سے غافل نہیں کرتے، بڑے سے بڑا بیوپار یا معمولی خرید وفروخت کوئی چیز خدا کے ذکر سے

نہیں روکتی، صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہی شان تھی۔

۵- مذکورہ دعا کے ذریعہ یہ پیغام دیا جارہا ہے کہ جلوت میں خلوت کی عادت ڈالو، یہ کمالِ ایمان اور دل میں نور پیدا کرنے کا سبب ہے، ماحول سازگار ہوتو ذکر کرنا آسان ہے، بگڑے ہوئے ماحول میں کسی کو خلوت اور ذکرِ الٰہی نصیب ہوجائے بڑی بات ہے، ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ مشائخ نقشبندیہ کے یہاں مقولہ مشہور ہے **الخلوۃ في الجلوۃ**. (خلوت تو جلوت میں ہی ہونا چاہیے)(۳)

۶- بازار میں بیچنا یا خریدنا بعض اوقات فائدہ مند ہوتا ہے اور بعض اوقات نقصان دہ ہوجاتا ہے اور بعض دفعہ جھوٹی قسمیں اور جھوٹی باتیں کرنی پڑتی ہیں، مذکورہ دعا کی برکت سے انسان گھاٹے کے سودے اور جھوٹ سے محفوظ رہے گا ان شاء اللہ؛ چناں چہ ایک روایت میں ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب بازار جاتے تھے تو خیر کا سوال کرتے تھے، اور گھاٹے کے سودے اور جھوٹی قسم سے پناہ مانگتے تھے۔(۴)

الفاظِ دعا کی حقیقت

بہر حال یہ کلمہ اُن گمراہانہ خیالات اور شیطانی وسوسوں پر براہِ راست ضرب لگاتا ہے جو

---

(۱) اسلام اور ہماری زندگی: ۱۰/۱۹۸ (۲) النور،۲۴: ۳۷

(۳) مرقاۃ: ۴/۱۶۸۷ (۴) المستدرک، رقم: ۱۹۷۷

بازار میں انسان کے دل و دماغ کو متاثر کرتے ہیں، اِس کلمہ میں مندرجہ ذیل حقائق پر یقین کو تازہ کیا جاتا ہے:

۱- حق تعالیٰ جو اِس کا مستحق ہے کہ اس کو دل و جان سے چاہا جائے، اُس کی عبادت کی جائے اور اپنا مطلوب و مقصودِ حقیقی بنایا جائے، صرف اللہ تعالیٰ ہے اس استحقاق میں کوئی چیز اور کوئی ہستی اس کی شریک نہیں۔

۲- ساری کائنات میں صرف اسی کی فرماں روائی ہے، بلا شرکتِ غیرے اسی کا حکم چلتا

ہے، وہی ساری کائنات کا مالک اور حاکم حقیقی ہے۔

۳- حمد و ستائش کے لائق بھی صرف وہی ہے، اس کے علاوہ اُس کی مخلوق میں جو چیزیں دل یا نگاہ کو اچھی اور قابلِ تعریف نظر آتی ہیں وہ اس کی مخلوقات اور مصنوعات ہیں، اُن کا حسن و جمال اُسی کا عطیہ ہے۔

۴- اس کی اور صرف اُسی کی شان ''حی لا یموت'' ہے، اس کے علاوہ ہر چیز فانی ہے اور ہر ایک کی موت و حیات اور فنا و بقا اُسی کے ہاتھ میں ہے۔

۵- ہر خیر و بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے، اُس کے سوا کسی کے اختیار اور قبضۂ قدرت میں کچھ نہیں۔

۶- وہ اور صرف وہی قادرِ مطلق ہے، ہر چیز اور ہر تبدیلی اُسی کی قدرت میں ہے۔

بازار کی فضاؤں میں جو بندہ اللہ کو اِس طرح یاد کرتا ہے وہ گویا شیاطین کی سرزمین میں اللہ کے نام کا علَم بلند کرتا ہے اور گمراہی کی گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ہدایت کی شمع جلاتا ہے؛ اِس لیے بلاشبہ وہ اِس غیر معمولی عنایت اور رحمت کا مستحق ہے جس کا حدیث پاک میں ذکر کیا گیا۔(۱)

فائدہ: مذکورہ دعا سب کے لیے ہے؛ پس جیسے سودا سلف خریدنے والے گاہک کو یہ دعا پڑھنی چاہیے ویسے ہی تاجر جب اپنی دوکان کھولنے کے لیے جائے تو اسے بھی مذکورہ دعا پڑھنی چاہیے۔

مذکورہ دعا موقع کی مناسبت سے آہستہ اور باآواز بلند دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔(۲)

(۱) معارف الحدیث: ۵/۱۳۹ (۲) مرقاۃ المفاتیح: ۴/۱۶۸۷

(۱۴) گھر میں داخل ہونے کی دعا

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی اپنے گھر میں داخل ہو تو (اللہ کے حضور میں یہ عرض کرتا ہوا داخل ہو)

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُکَ خَيْرَ الْمَوْلِجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ

اللّٰہ خَرَجْنَا وعَلٰی اللّٰہِ رَبِّنَا تَوَکَّلْنَا. (۱)

ALLAHUMMA INNEE,AS'ALUKA, KHAIRALMAULIJI, WA,KHAIRALMAKHRAJ,BISMILLAHI,WALAJNA, WA,BISMILLAHI,KHARAJNA,WA'ALALLAHI, RABBINA,TAWAKKALNAA

ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں گھر میں داخل ہونے اور گھر سے نکلنے کا خیر (یعنی میرا گھر میں داخل ہونا اور باہر نکلنا میرے واسطے خیر اور بھلائی کا وسیلہ بنے) ہم اللہ کا پاک نام لے کر داخل ہوتے ہیں اور اسی طرح اس کا نامِ پاک لے کر باہر نکلتے ہیں اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے، وہی کارساز ہے۔

تشریح: جب انسان باہر کی مصروفیات سے فارغ ہوجاتا ہے تو اپنے گھر واپس لوٹتا ہے، اِسلام نے ایسے موقع پر اپنے ماننے والوں کو ہدایت دی کہ اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اللہ کا ذکر کریں، اپنے لیے خیر وبھلائی کی درخواست کریں اور اپنے رب پر اعتماد وتوکل کا اظہار کریں، یہی اسلامی تہذیب ہے اور ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ قدم قدم پر اِسلامی تہذیب کو برتے؛ تاکہ ایک صالح اسلامی معاشرے کا وجود برقرار رہے، مذکورہ حدیث میں تین مرکزی مضمون ہیں: خیروبھلائی کی درخواست، اللہ کا نام لینا اور توکُّل علی اللہ، خیر کے تعلق سے تفصیلی گفتگو، صبح کے وقت پڑھنے کی مسنون دعا'' کے تحت گذر چکی ہے اور بسم اللہ اور توکل کے حوالے سے مفصل بیان

(۱) ابوداؤد، رقم:۵۰۹۶

''گھر سے نکلتے وقت کی مسنون دعا'' کے تحت آچکا ہے، مراجعت فرمائیں۔

حکمت اور پیغام نبوی

۱- اِس تعلیمِ ہدایت کی روح یہی ہے کہ گھر میں آنے اور گھر سے نکلتے وقت بھی بندے کے دل کی نگاہ اللہ تعالٰی پر ہو، زبان پر اُس کا بابرکت نام ہو اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ ہر خیروبرکت اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، اس سے دعا اور سوال ہو اور اس کی کریمی وکارسازی کا

بھروسا اور اعتماد ہو۔(۱)

۲- انسان کچھ دیر اپنے گھر سے باہر رہتا ہے، اُسے معلوم نہیں ہوتا کہ اُس کے پیچھے گھر میں کیا واقعات پیش آئے ، مذکورہ دعا کے ذریعہ یہ پیغام دیا جا رہا ہے کہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے اللہ سے درخواست کرلو کہ میں اندرونِ خانہ عافیت کا منظر دیکھوں، اطمینان وسکونِ اہلِ خانہ میرا مُقَدَّر رہو، اِس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر سکونِ خانہ مقدر ہے تو وہ نصیب ہوگا، اور اُس کا دل بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوگا اور اگر واقعات وحادثات ہی مقدر تھے تو مذکورہ دعا اُس کے لیے حوصلہ اور ہمت کا سامان ہوگی، قوتِ برداشت پیدا ہوگی اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹے گا، اور یہی وہ مقام ہے جس پر آخرت میں اجر وثواب کا وعدہ ہے۔

۳- گھر میں داخل ہوتے وقت، گھر سے نکلنے کی بھلائی کی درخواست بھی کرائی جارہی ہے، اِس میں یہ پیغام ہے کہ تمھیں ہمیشہ گھر میں نہیں رہنا ہے، دوبارہ گھر سے نکلنا ہوگا اور کچھ نہیں تو اگر گھر میں ہی وفات ہوئی تو گھر سے نکل کر قبر تک تو جانا ہی پڑے گا؛ پس تم گھر سے نکلنے کی بھلائی بھی مانگو، اِس کا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ تم جب تک گھر میں رہوگے تمھیں عبادت کا ثواب ملتا رہے گا اور دوسری طرف اندرونِ خانہ پوری زندگی عافیت واطمینان سے گذرے گی۔

۴- اِس موقع پر بسم اللہ پڑھنے کا حکم ہوا؛ تاکہ بندہ یہ سوچے کہ اُس نے خیر وبھلائی کی دعا تو مانگ لی؛ لیکن وہ خود خیر وبھلائی کے حصول پر قادر نہیں؛ بلکہ اللہ کی مشیت اور اِمداد ضروری ہے اور یہ چیز اللہ کے نام سے ہی حاصل ہوسکتی ہے۔

---

(۱) معارف الحدیث: ۱۳۵/۵

۵- دعا پڑھنے والا توکُّل کی عادت ڈالے اور یہ سوچے کہ اللہ ہمارا رب ہے گھر کے اندر وہ جو کچھ فیصلہ کرے گا، وہی فیصلہ ہمارے حق میں بہتر ہوگا، ہم اپنی عقل نہیں چلائیں گے کہ ہمارے حق میں کیا بہتر ہے؛ بلکہ اپنا پورا معاملہ اُس کے حوالہ کرتے ہیں۔

۶- گھر میں داخل ہونے سے پہلے ذکرِ الٰہی، شیطانی تصرفات سے حفاظت کا ذریعہ ہے، روایت میں ہے کہ اگر بوقتِ دخول اللہ کا ذکر نہ کیا جائے تو شیطان اپنے گروہ سے کہتا ہے کہ

أدرکتم المبیت کہ تمھیں رات ٹھہرنے کی جگہ مِل گئی، یعنی ذکرِالٰہی وہ حصار ہے جس سے آدمی شیطان کو اس کی شرانگیزیوں سے روک دیتا ہے، شیطان کا رات بھر کسی کے گھر میں ٹھہرنا اسے خیر اور نیکیوں سے دور کردینے کی علامت ہے، سرکارِ دوعالم ﷺ نے مذکورہ دعا کے ذریعہ یہ پیغام دیا کہ تم اپنے گھر کو اِسلامی گھر بناؤ، شیطانی مرکز نہ بننے دو۔(۱)

۷- گھر میں داخل ہوکر اہل وعیال، مال ودولت اور سامان واَثاثہ پر جب نظر پڑتی ہے تو دل میں قابلیت ولیاقت اور خودی واَنانیت کی بو محسوس ہونے لگتی ہے، اِس کا علاج یہ بتلایا گیا کہ مسلمان کا اعتماد اور توکل صرف ذات خداوندی پر ہی ہوسکتا ہے اور یہ خیال باطل ہے کہ میرے گھر میں آنے سے تمام خطرات ٹل جائیں گے؛ بلکہ توکل اور بھروسہ پھر بھی اللہ تعالیٰ پر ہی ہوسکتا ہے۔(۲)

۸- مذکورہ دعا کے ذریعہ **رَبِّ أَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ** (۳) پرعمل کرایا جارہا ہے (اے میرے رب! داخل کر مجھ کو سچا داخل کرنا اور نکال مجھ کو سچا نکالنا) داخل ہونے کی جگہ سے مراد مدینہ اور خارج ہونے کی جگہ سے مراد مکہ ہے، ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ تفسیر کا قاعدہ ہے **العبرۃُ بعموم اللفظ لا بخصوص السبب** یعنی لفظ کا عموم معتبر ہوتا ہے؛ پس آیت ہر دخول وخروج کو شامل ہے؛ حتی کہ دخول فی القبر اور خروج عن القبر (قبر سے نکلنا) کو بھی شامل ہے، اب مطلب ہوا کہ اے اللہ یہ داخل ہونا اور نکلنا آپ کی مرضی کے مطابق، خیر وخوبی کے ساتھ ہو، کوئی خلافِ طبع اور ناگوار صورت پیش نہ آئے۔(۴)

(۱) صحیح مسلم:۲۰۱۸ (۲) چالیس دعائیں، ص:۲۹
(۳) الإسراء، ۱۷:۸۰ (۴) مرقاۃ المفاتیح:۱۶۹۵/۴

دعا پڑھنے کے بعد سلام کیجیے(۱)

جس روایت سے مذکورہ دعا لکھی گئی ہے، اس روایت کے اخیر میں ہے کہ مذکورہ دعا پڑھنے کے بعد داخل ہونے والا اپنے گھر والوں کو سلام کرے، یہ سلام کرنا خیر وبرکت کا سبب ہے اور اہلِ خانہ کے لیے اللہ تعالیٰ ہی سے خیر اور سلامتی کی دعا ہے، آج کل یہ عمومی ماحول ہے کہ ہر آدمی

رزق میں، آل اولاد میں اور دوکان وتجارت میں بے برکتی کا رونا روتا ہے، حضور ﷺ نے اِس کا آسان حل بتایا کہ گھر والوں کو اخلاص اور سنت سمجھ کر سلام کرنا اور مذکورہ دعا پڑھنا برکت کا سبب ہے، گھر میں داخل ہوتے وقت دعا اور سلام کے سلسلے میں کوتاہی اور غفلت عام ہے، عموماً لوگ نہ دعا پڑھتے ہیں اور نہ ہی سلام کرتے ہیں، نتیجۃً لوگ اپنے ساتھ شیطان کو اپنے گھر میں داخل کر لیتے ہیں، اب جس گھر میں شیطان ہوگا وہاں رحمتِ الٰہی کا نزول کیسے ہوگا؟ سکونِ خانہ کیسے نصیب ہوگا؟ فجر کی نماز کے لیے آنکھ کیسے کھلے گی؟ بہر حال موجودہ دور میں مذکورہ تعلیم وہدایت پر عمل کرنا بہت ضروری ہے، دعائے نبوی کی یہی روشنی ہمارے گھروں کی تاریکیاں دور کرسکتی ہے، اللہ عقلِ سلیم عطا فرمائے۔

فائدہ: گھر میں داخل ہوتے وقت اپنا دایاں پاؤں پہلے رکھنا چاہیے، پھر دعا پڑھنی چاہیے اور پھر گھر والوں کو سلام کرنا چاہیے۔ (۲)

فائدہ: جب تک عربی الفاظ یاد نہ ہوں، اردو ہی میں دعا کر لی جائے اور بہتر ہے کہ دروازے کے باہر مذکورہ دعا لکھ کر چپکا دی جائے۔

---

(۱) اس موقع پر راقم الحروف کی کتاب: اسلام کا نظامِ سلام ومصافحہ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

(۲) الفقہ الاسلامی: ۲۶۸۶/۴

(۱۵) کھانے سے پہلے کی دعا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب کھانے پینے کی چیزیں

سامنے ہوں اور تم ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کرو تو یہ دعا پڑھ لیا کرو۔

بسم اللّٰہِ وعَلٰی بَرَکَۃِ اللّٰہِ۔(۱)

BISMILLAH, WA, ALAA, BARAKATILLAH

ترجمہ: اللہ کے نام کے ساتھ اور اس کی برکت سے کھاتا ہوں۔

نوٹ: لفظ بَرَکَۃ: راء کے زبر کے ساتھ ہے، لوگ دعا میں راء کے سکون کے ساتھ پڑھ دیتے ہیں، اس کا خیال رکھنا چاہیے۔

تشریح: کھانا پینا انسان کے لوازمِ حیات میں سے ہے، اور اللہ تعالیٰ کی بہت ہی قیمتی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے انواع واقسام کی چیزیں پیدا فرمائیں اور ان میں طرح طرح کی لذتیں بھی رکھیں؛ لیکن کھانے سے لطف اندوز ہونے سے پہلے کچھ آداب وتہذیب بھی بتائی ہیں، جس پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے؛ تاکہ ایک صالح اسلامی معاشرہ کی تشکیل ہو سکے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کچھ کھانے یا پینے کو میسر ہوتا تو اس کو اللہ کی طرف سے اور اُس کا عطیہ یقین کرتے ہوئے اُس کی حمد اور اُس کا شکر ادا کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت فرماتے۔

حکمت اور پیغامِ نبوی

۱- کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھ کر بندہ یہ اقرار کرتا ہے کہ میرا وجود اور میرا کوئی کام

کھانے سے پہلے بسم اللہ یا اللہ کا ذکر کرنا ثابت ہے؛ البتہ مذکورہ الفاظ: بسم اللہ وعلی برکۃ اللہ، تفسیر الثعالبی میں موجود ہے اور یہی دعا المستدرک للحاکم میں یوں ہے: بسم اللہ وبرکۃ اللہ اور یہی دعا کے صحیح کلمات ہیں اور "علی" کی زیادتی تحقیقی اعتبار سے درست نہیں ہے؛ چوں کہ بسم اللہ وعلی برکۃ اللہ کو شہرت ہے؛ اس لیے یہی دعا لکھی گئی ہے؛ تاہم کوئی شخص صرف بسم اللہ پڑھ لے یا کوئی اور ذکر کرلے تب بھی کافی ہے، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (مرقاۃ المفاتیح: ۷/۲۷۱۱- غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ، ص: ۳۲۳) (تفسیر الثعالبی: ۵/۲۲۴ - المستدرک، رقم: ۷۰۸۴)

بغیر اللہ کی مشیت وارادے اور اُس کی امداد کے نہیں ہو سکتا، ایک کافر بھی کھاتا پیتا ہے اور ایک مسلمان بھی؛ مگر مسلمان اپنے لقمہ سے پہلے بسم اللہ کہہ کر یہ اقرار کرتا ہے کہ یہ لقمہ زمین سے پیدا ہونے سے لے کر پک کر تیار ہونے تک آسمان وزمین اور سیاروں اور ہوا وفضائی مخلوقات کی

طاقتیں پھر لاکھوں انسانوں کی محنت صرف ہوکر تیار ہوا ہے، اُس کا حاصل کرنا میرے بس میں نہ تھا، اللہ ہی کی ذات ہے جس نے ان تمام مراحل سے گذار کر یہ لقمہ یا گھونٹ مجھے عطا فرمایا ہے۔(۱)

۲- برکت کے معنی ہیں کہ آدمی کے پاس چیز تھوڑی ہو؛ لیکن اُس سے فائدہ زیادہ حاصل ہو جائے؛ اِس لیے برکت کی دعا کی جارہی ہے کہ یہ کھانا جو میرے سامنے ہے، میرے لیے اور میرے گھر والوں کے لیے کافی ہو جائے اور اِس سے سب کی بھوک مٹ جائے، اگر برکت نہ ہو تو کھانا زیادہ ہونے کے باوجود بھوک نہیں مٹتی۔

برکت کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب یہ کھانا میرے جسم کے اندر پہنچے تو صحت اور قوت کا ذریعہ بنے، بیماری اور تکلیف کا ذریعہ نہ بنے، سرکارِ دوعالم ﷺ اِس موقع پر اِس لیے دعا فرمارہے ہیں کہ اللہ! یہ کھانا آپ کی عطا ہے اور یہ بڑی نعمت ہے؛ لیکن یہ نعمت اُسی وقت فائدہ مند ہوگی جب آپ اُس میں برکت ڈالیں گے؛ اِس لیے میں برکت کا سوال کرتا ہوں؛ ورنہ بعض دفعہ کھانا لذیذ ہوتا ہے؛ لیکن اسے کھا کر انسان بیمار ہو جاتا ہے، ایسا اِس لیے ہوتا کہ اُس میں برکت نہیں ہوتی۔(۲)

۳- کھانا، پانی، وقت، مال یا کسی بھی چیز میں برکت پیدا کرنا صرف اللہ کا کام ہے، وہ جس چیز کو چاہتا ہے مبارک بنا دیتا ہے اور استعمال کرنے والے کے لیے مفید بنا دیتا ہے، اُس پر اطمینان اور قناعت کی دولت سے نواز دیتا ہے اور بہت سی چیزوں کا نعم البدل عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس چیز سے چاہتا ہے برکت چھین لیتا ہے، پھر دنیا کی کوئی طاقت اس میں برکت کی نعمت داخل نہیں کرسکتی؛ لہٰذا عاجز و مجبور بندے کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے برکت کا طالب رہے اور ان وسائل کا استعمال کرے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی برکت کے حصول کا ذریعہ و سبب بنایا ہے، کھانا

(۱) معارف القرآن: ۱/۴۷ (۲) اسلام اور ہماری زندگی: ۱۰/۲۱۴

کھانے سے پہلے برکت کی دعا، حصولِ برکت کا سبب ہے؛ پس مسلمانوں کو اسے برتنا چاہیے۔

۴- یہ دعا اِس لیے پڑھائی جارہی ہے؛ تاکہ شیطانی وساوِس اور کھانے میں شیطانی شرکت سے حفاظت رہے، سرکارِ دوعالم ﷺ کا ارشاد ہے: اگر کھانے پر اللہ کا ذکر نہ کیا جائے تو

شیطان کھانے کو حلال کرلیتا ہے۔(۱) یعنی وہ بھی شریکِ طعام ہوجاتا ہے، اس کی شرکت کی وجہ سے ہمارا کھانا اگر چہ کم نہیں ہوتا؛ لیکن اُس کھانے کے بعد اللہ کی اِطاعت وعبادت کی توفیق سلب کرلی جاتی ہے، نیند اور تھکن کا احساس بڑھ جاتا ہے، طبیعت میں تکدُّر سا رہتا ہے۔

۵- کھانا ہماری عادت ہے، شریعت یہ چاہتی ہے کہ ہم اپنی عادت کو عبادت بنائیں، دنیا میں آخرت کے لیے زندگی گذاریں، عادت عبادت اور دنیا آخرت اُسی وقت بنے گی جب ہم کھاتے وقت اللہ کا ذکر کریں۔

بسم اللہ پڑھنے اور برکت کی دعا کے تعلق سے تفصیلی گفتگو پیچھے بھی آچکی ہے، مراجعت فرمالیں۔

کھانے پینے کے چند آداب

احادیث میں کھانے پینے کے آداب تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، اُن آداب کی بجا آوری حصولِ برکت میں مُعاون ہے، اِس لیے انھیں بھی لکھا جاتا ہے۔

(۱) کھانا کھانے سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ دھوئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا، کھانا یا پانی پینا چاہتے تو اپنے دونوں ہاتھ دھوتے (۲) البتہ کسی شرعی عذر جیسے بیماری یا زخم وغیرہ کی صورت میں نہ دھونے کی رخصت ہے۔

(۲) کھانا ہمیشہ داہنے ہاتھ سے کھائیں۔ **وکل بیمینک**. (۳)

(۳) کھانا بیٹھ کر کھائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر پانی پینے سے منع فرمایا۔(۴)

(۴) کھانا اجتماعی طور پر کھائیں، اِس کی وجہ سے برکت نازل ہوتی ہے۔(۵)

(۵) اطمینان سے بیٹھ کر کھانا کھائیے، ٹیک لگا کر مت کھائیے(۶) مستحب انداز یہ ہے

(۱) مسلم، رقم: ۲۰۱۷ (۲) نسائی، رقم: ۲۵۷ (۳) بخاری، رقم: ۵۳۷۶
(۴) مسلم، رقم: ۲۰۲۵ (۵) ابوداود، رقم: ۳۷۶۴ (۶) بخاری، رقم: ۵۳۹۸

کہ اپنے گھٹنوں کے بل پیروں کے تلووں پر بیٹھیے یا دایاں پاؤں کھڑا رکھ کر بائیں پاؤں پر بیٹھیے۔

(۶) کھانے میں عیب نہ لگایئے(۱) بلکہ یہ سوچیے کہ یہ بھی اللہ کی نعمت ہے۔

(۷) زیادہ گرم کھانا مت کھائیے۔

(۸) کھانے کے بعد پلیٹ اور انگلیوں کو چاٹ لیا کیجیے۔(۲)

(۹) لقمہ نیچے گر جائے اور گندہ نہ ہو تو اٹھا کر کھا لیجیے، شیطان کے لیے مت چھوڑیے۔(۳)

(۱۰) زیادہ ڈکار نہ لیں۔(۴)

(۱۱) کھانے پینے کی چیزوں پر پھونک نہ ماریے، اندر سے آنے والی سانس گندی اور زہریلی ہوتی ہے۔

(۱۲) کھانے کے دوران ٹھٹھا مارنے اور بہت زیادہ باتیں کرنے سے پرہیز کیجیے۔

(۱۳) بلاضرورت کھانے کو مت سونگھیے، یہ بری عادت ہے۔

(۱۴) روٹی سے انگلیاں ہرگز صاف نہ کیجیے، یہ بڑی گھناؤنی عادت ہے۔

(۱۵) پانی تین سانس میں ٹھہر ٹھہر کر پینا چاہیے، اِس سے پانی بھی ضرورت کے مطابق پیا جاتا ہے اور آسودگی بھی ہوتی ہے۔

(۱۶) کھانے کے بعد اللہ کی حمد و ثنا کیجیے۔(۵)

آدابِ طعام سے متعلق ایک عمدہ تحریر

کھانے میں چار چیزیں فرض ہیں:

(۱) طلبِ حلال: حلال رزق کی تلاش اور حرام سے اِجتناب کرنا۔

(۲) حلال پر قناعت: جو حلال رزق اللہ تعالیٰ عطا فرمائے اس پر راضی ہونا۔

(۱) بخاری، رقم:۳۵۶۳ (۲) مسلم:۲۰۳۲ (۳) ترمذی، رقم:۱۸۰۲

(۴) ترمذی:۲۴۷۸ (۵) آدابِ زندگی، ص:۵۰

(۳) یہ عقیدہ رکھنا کہ جو رزق مجھے حاصل ہوا ہے یہ محض اللہ کی عطا ہے۔

(۴) کھانے سے حاصل کردہ قوت کو اللہ کی عبادت اور طاعت میں خرچ کرنا۔

چار چیزیں کھانے میں مسنون ہیں:

(۱) ہاتھوں کا دھونا۔ (۲) بسم اللہ پڑھنا۔ (۳) دائیں ہاتھ سے کھانا۔ (۴) سنت کے موافق بیٹھنا۔

چار چیزیں مستحب (پسندیدہ) ہیں:

(۱) تین انگلیوں سے کھانا۔(۲) اچھی طرح چبا کر کھانا۔(۳) چھوٹے لقمے لینا۔(۴) دوسرے کے لقمہ کو نہ دیکھنا۔

دو چیزیں کھانے میں مکروہ (ناپسندیدہ) ہیں:

(۱) کھانے میں پھونک مارنا۔ (۲) کھانے کو سونگھنا۔

کھانے میں ایک چیز حرام ہے:

حد سے زیادہ کھانا (پیٹ بھر جانے کے باوجود بلا ضرورت زیادہ کھانے سے انسانی صحت کو نقصان پہنچ سکتا ہے جو ناجائز اور حرام عمل ہے)

حرام کے تین درجے ہیں:

(۱) حرام: بلا اجازت کسی کا مال کھانا۔

(۲) اَحرمُ الحرام: دوسروں کا مال لوٹ کر کھانا

(۳) اَشدُّ الحرام: یتیم کا مال کھانا (یہ حرام کا سب سے بڑا درجہ ہے)(۱)

چند مسائل

(۱) اگر اجتماعی کھانا کھایا جارہا ہو تو بسم اللہ زور سے پڑھنا مستحب ہے؛ تاکہ اور لوگ بھی سنیں اور وہ بھی چوکنا ہو جائیں اور بسم اللہ پڑھیں۔

---

(۱) مذکورہ تحریر کسی خدا رسیدہ عالم دین کی ہے، صاحب تحریر کا نام تادم تحریر دستیاب نہ ہو سکا، جزاھم اللہ، مولف

(۲) اگر کوئی شخص کھانے سے پہلے بسم اللہ بھول جائے تو جب یاد آئے **بسمِ اللہِ أوَّلَہ و آخِرَہ** . (۱) کہہ لے، اِس کا فائدہ حدیث میں یہ آیا ہے کہ شیطان نے جو کھایا ہے وہ اس کو

قیے کر دیتا ہے یعنی وہ برکت لوٹتی تو نہیں مگر دشمن کے پیٹ میں بھی نہیں رہتی اور یہی کیا کم ہے۔

(۳) پانی، دودھ، چائے، دوا، شوربہ یا کسی بھی مشروب سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے۔

(۴) جنبی (ناپاک شخص) اور حائضہ وغیرہ کے لیے بھی کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے۔

(۵) اگر چند افراد ایک ساتھ کھا رہے ہوں تو کسی ایک کا بسم اللہ پڑھنا سب کی طرف سے کافی ہے؛ مگر مستحب ہے کہ سب پڑھیں؛ البتہ جو شخص بعد میں آئے وہ اپنی بسم اللہ خود پڑھے، اگر وہ نہیں پڑھے گا تو سارے کھانے کی برکت ختم ہو جائے گی۔ (۲)

لمحۂ فکریہ

یہ وہ آداب ہیں جن کی رعایت برکت کے نزول کا سبب ہے اور جن کا ترک کر دینا بے برکتی کا ذریعہ ہے، آج گرد و پیش کا جائزہ لیجیے، کیا یہ آداب ملحوظ رکھے جاتے ہیں؟ کھڑے ہو کر کھانا فیشن میں داخل ہے، بائیں ہاتھ سے کھانا اور پینا عام ہوتا جا رہا ہے، گھروں میں لوگ تنہا تنہا کھانے کے عادی ہو رہے ہیں، کھانے میں؛ خاص کر دوسروں کے گھروں سے آئے ہوئے کھانوں میں عیب لگانے کا رواج بڑھتا جا رہا ہے، گرے ہوئے لقمہ کو اٹھانا توہین اور غربت کی علامت تصور کیا جا رہا ہے، پلیٹ چاٹنا تو دور پلیٹ میں کھانا چھوڑنے کی عادت بھی عام ہوتی جا رہی ہے، بتایئے ان سب کے باوجود ہم برکت کی دعا پڑھیں تو اس کے اثرات کیسے ظاہر ہوں گے؟ اللہ ہمیں تمام آداب و مستحبات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

---

(۱) BISMILLAHI AWWALAHU WA,AAKHIRAHU یہ اللہ تعالیٰ کا کریمانہ قانون ہے کہ بھولنے کے بعد بھی اگر مذکورہ دعا پڑھ لی جائے تو پورے کھانے میں برکت عطا کر دی جاتی ہے اور اول و آخر کا مطلب ہے کہ میں نے اللہ کے نام سے ہی شروع میں کھایا اور آئندہ کھاؤں گا، مرقاۃ: ۲۷۱/۷

(۲) تحفۃ الالمعی: ۱۹۶/۵

(۱۶) کھانے کے بعد کی دعا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے کھانے سے فارغ ہوتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔

الحمدُ لِلّٰہِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وسَقَانَا، وجَعَلَنَا مُسْلِمِيْنَ. (۱)(۲)

ALHAMDULILLAHILLAZEE, AT,A,MANAA, WA,SAQANAA,WA,JA,ALANAA,MUSLIMEEN

ترجمہ: حمد و شکر اُس اللہ کے لیے جس نے ہمیں کھانے اور پینے کو دیا اور (اس سے بھی بڑا کرم یہ فرمایا کہ) ہمیں مسلمان بنایا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کے لیے غذا کو لازم قرار دیا ہے اور جب یہ غذا استعمال کر لی گئی اور انسانی ضرورت پوری ہوگئی تو اِس موقع پر بھی اِسلام نے اپنے ماننے والوں سے کہا کہ اِس نعمت کے حصول پر اپنے پروردگار کا شکریہ ادا کرو اور یہی وہ آداب و تہذیب ہیں جن کی وجہ سے مومن اور کافر کے مابین اندازِ زیست میں فرق ہوتا ہے، کھانے پینے کے تعلق سے اِسلام کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ خوردن برائے زیستن ہونا چاہیے، بندہ مومن کھائے پیئے؛ مگر اِس لیے تا کہ قوت و نشاط کے ساتھ زندگی کو خدا کی اِطاعت و فرمانبرداری میں گذار سکے اور دیگر اقوام کا فلسفہ زیستن برائے خوردن کا ہے، وہ دنیا کی نعمتوں کو جلد سے جلد اور زیادہ سے زیادہ سمیٹنا چاہتے ہیں، نتیجہ کی پرواہ کیے بغیر اپنے پیٹ بھرتے ہیں؛ چوں کہ اللہ رب العزت اِس بات سے بہت خوش ہوتے ہیں کہ ان کا شکریہ ادا کیا جائے؛ اِس لیے اِسلام نے اِس خاص موقع پر شکر کی تلقین کی اور اس سلسلے میں دعا بتلائی، مذکورہ دعا رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی دعا ہے؛ اِس لیے اِس کی بڑی اہمیت ہے، یہ دعا ہمیں بتاتی ہے کہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں اور اُس کی دی ہوئی غذاؤں سے فائدہ اٹھانے کے بعد شکر کے موزوں ترین الفاظ کیا ہو سکتے ہیں۔

حکمت اور پیغامِ نبوی

۱- اس موقع پر شکر کے دو پہلو ہیں: ایک یہ کہ دنیا میں اس جیسے بے شمار افراد بھوک پیاس

---

(۱) یک روایت میں ”جَعَلَنا مِنَ المُسْلِمِینَ“ کے الفاظ ہیں (کنز العمال، رقم: ۱۷۹،۸۱) (۲) ابوداؤد، رقم: ۳۸۵۰

میں گرفتار ہیں جنھیں ضرورت کے مطابق غذا نہیں مل رہی ہے، دوسرا یہ کہ کتنے ہی ایسے انسان ہیں جنھیں اَنواع واَقسام کی نعمتیں حاصل ہیں؛ لیکن وہ صحت کی خرابی یا کسی اور وجہ سے اِس قابل نہیں کہ ان سے فائدہ اٹھا سکیں، اِس صورتِ حال میں یہ اللہ ہی کا کرم واحسان ہے کہ اُس نے پاکیزہ غذا عطا کی اور اُس سے اِستفادے کے قابل بھی بنایا، جب انسان اِس طرح سوچتا ہے تو اُس کے اندر حقیقتوں کو سمجھنے اور ماننے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور صبر، شکر اور قناعت کے پاکیزہ جذبات ابھرتے ہیں، مذکورہ دعا میں یہ پیغام ہے کہ انسان کی باطنی کیفیات اور جذبات کا انسان کے ظاہر پر اثر پڑتا ہے؛ چناں چہ جو غذا اللہ کا نام لے کر استعمال کی جائے اور جس کے بعد اللہ کی حمد وثنا ہو اس کے پاکیزہ اور خوش گوار اثرات بھی انسان کی صحت پر دیکھے جا سکتے ہیں، اِس مقصد کے حصول کے لیے کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد دعائیں مقرر ہوئیں۔

۲- اللہ تعالیٰ نے ہمیں رزق دیا اور اِس کے ساتھ ساتھ اُسے کھانے کی اہلیت بھی دی؛ گویا ہمیں دو نعمتیں حاصل ہوگئیں، پس ہمیں شکرِ الٰہی کو بجالانا چاہیے؛ ورنہ تو بہت سے بندگانِ خدا ایسے ہیں جنھیں رزق ہی حاصل نہیں، یا رزق حاصل ہے؛ لیکن بیماری کی وجہ سے کھا نہیں سکتے، پس اُس ذات کے ہمیں کھلانے پر ہم اُس کے شکر گذار ہیں، اور اگر کھانے کے لیے کھانا ہو؛ لیکن پانی نہ ہو تو کھانا عذاب بن جائے گا، گویا پانی، کھانے کا تکملہ ہے، ہمیں یہ بھی نصیب ہوا؛ اِس لیے اِس پر بھی خدا کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

۳- مذکورہ دعا کے ذریعہ یہ پیغام دیا جا رہا ہے کہ ابھی تمھیں کھانا اور پانی مل گیا، آئندہ کیا ہوگا معلوم نہیں؛ پس تم کھانے پینے کے بعد اللہ کا شکریہ ادا کرلیا کرو، اِن شاء اللہ تمھیں آئندہ بھی محرومی نہیں ہوگی؛ کیوں کہ اللہ کا ارشاد ہے: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ. (۱) شکرِ خدا، نعمتوں میں اضافہ اور نعمتوں کی بقاء کا سبب ہے۔

۴- مذکورہ دعا میں مسلمانوں سے یہ اپیل ہے کہ کھانا کھانے کے بعد صدقِ دل سے یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ یہ کھانا مجھے میرے پروردگار نے عطا فرمایا ہے، میرے کسی ہنر اور کسی صلاحیت اور زورِ بازو کا کرشمہ نہیں ہے، مجھے جو کچھ ملا ہے وہ صرف کرمِ الٰہی کا نتیجہ ہے، ایک روایت میں ہے کہ اِس طرح شکریہ ادا کرنے کی وجہ سے انسان کے پچھلے سارے گناہ بخش دیے جائیں گے۔(۲)

(۱) ابراہیم ۱۴:۷ (۲) ترمذی، رقم: ۳۴۵۸

۵- کھانا، پینا ظاہری نعمت ہے، دعا کے آخری حصے میں یہ پیغام ہے کہ تمھاری نظر صرف ظاہری نعمتوں پر نہ ہو؛ بلکہ باطنی اور روحانی نعمتوں کا استحضار بھی رکھو؛ چناں چہ باطنی نعمتوں میں اِسلام سب سے بڑی نعمت ہے اور وہ نعمت بھی تمھیں ملی ہوئی ہے؛ پس اِس پر بھی شکر ادا کرو۔(۱)

۶- کھانے پینے میں انسان کو کچھ خصوصیت حاصل نہیں ہے؛ بلکہ جانور بھی کھاتے پیتے ہیں، اِن دونوں میں فرق کرنے کے لیے دعا کے اخیر میں "**جعلنا مسلمین**" کا اضافہ ہے کہ ہدایتِ اسلام کی وجہ سے انسان اور جانور اور مسلمان اور غیر مسلمین میں فرق ہوتا ہے، پس مسلمان کو اِس موقع پر خاص طور سے اسلام کی دولت ملنے پر شکر گذار ہونا چاہیے۔(۲)

۷- جس طرح ہم بغیر جسمانی خوراک کے نشو ونما نہیں پا سکتے، اِس سے کہیں بڑھ کر ہم روحانی غذا کے محتاج ہیں جو اِسلام کی اَبدی اور روحانی غذا ہے (اِس لیے دعا کے ذریعہ مطلوبہ روحانی غذا کی درخواست کی گئی ہے)(۳)

۸- انسان پر یا تو خدا کی نعمتوں کا غلبہ ہوتا ہے یا پھر وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے، پہلی صورت میں اسے اللہ کا شکر کرنے کی ہدایت ہے اور دوسری صورت میں صبر واستقامت کی تلقین، جو لوگ ایمان کے ساتھ شکر اور صبر کے تقاضے پورے کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں وہی آخرت میں کامیاب ہوں گے، اکثر علماء فرماتے ہیں کہ صبر کے مقابلہ میں شکر کا امتحان زیادہ مشکل ہے، شکر کرنا جتنا آسان ہے اتنا ہی مشکل ہے، آسان اِس لیے کہ زبان یا دل یا عمل سے اللہ کی نعمتوں کا اعتراف کیا جاتا ہے اور مشکل اِس لیے ہے کہ جب نعمتیں ملتی رہتی ہیں تو انسان اُن نعمتوں کو اپنا حق سمجھنے لگتا ہے اور شکرِ الٰہی سے محروم ہو جاتا ہے، مذکورہ دعا میں یہ پیغام ہے کہ کھانے اور پینے کی نعمت انسان کو روز ملتی ہے، اِس نعمت کو کہیں وہ اپنا حق نہ سمجھ بیٹھے اور خدا فراموشی میں مبتلا ہو کر اپنی عاقبت خراب کر لے؛ اِس لیے اُسے اِس موقع پر شکر کی تلقین کی گئی اور اُسے یاد دلایا گیا کہ تمھیں تو سب سے بڑی نعمت ''ایمان واسلام'' حاصل ہے، اور ادنی نعمتوں پر بھی شکرِ الٰہی میں سجدہ ریز ہو جانا اسلامی حمیت کا تقاضا بھی ہے اور اِسلام کا نتیجہ بھی، کیا ہمارا اِسلام ایسا ہے جو ہمیں ہر وقت اللہ کا شکریہ ادا کرنے پر ابھارتا ہے؟ اللہ ہمیں عقلِ سلیم اور فہمِ متین عطا فرمائے۔

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۷/۱۲/۷۲ (۲) التیسیر بشرح الجامع الصغیر: ۲/۲۵۴ (۳) چالیس دعائیں، ص: ۲۸

(۱۷) دسترخوان اٹھاتے وقت پڑھنے کی دعا

حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے دسترخوان اٹھایا جاتا تو یہ دعا پڑھتے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْداً کَثِیراً طَیِّباً مُبَارَکاً فِیہِ، غَیْرَ مَکْفِیٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنیً عَنْہُ رَبَّنَا. (۱)

ALHAMDULILLAH,HAMDAN,KASEERAN,TAYYEBAN,
MUBARAKAN,FEEH,GHAIRA,MAKFIYYEN,WALAA,
MUWADDAYEN,WALA,MUSTAGHNAN,ANHU,RABBANA

ترجمہ: ہر حمد اللہ کے لیے ہے، بہت زیادہ حمد، پاکیزہ حمد، جس حمد میں برکت (اضافہ) فرمائی گئی ہو، نہ کافی سمجھا ہوا اور نہ رخصت کیا ہوا اور نہ اُس سے بے نیاز ہوا ہوا، اے ہمارے پروردگار (یعنی اے ہمارے رب ہم اِس کھانے کو کافی سمجھ کر یا بالکل رخصت کر کے یا اِس سے غیر محتاج ہو کر نہیں اٹھا رہے ہیں۔

تشریح: اللہ رب العزت نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو سراپا رحمت اور اخلاقِ کریمانہ کا نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا تھا، آپ نے جہالت و بد اخلاقی میں ڈوبی ہوئی امت کو جہاں علم و حکمت کا شعور بخشا وہیں انھیں اعلی طرزِ معیشت سے بھی ہمکنار کیا اور آپ نے جہاں ایک طرف لوگوں کو احکامِ الٰہی کا پابند بنایا وہیں دوسری طرف حسنِ معاشرت اور کھانے پینے کے آداب سے بھی روشناس کیا؛ تا کہ ایک اسلامی اور مثالی معاشرے کی تشکیل و تعمیر ہو سکے، کھانے سے پہلے دسترخوان بچھانا، کھانے سے فراغت کے بعد دسترخوان اٹھانا یہ سب اسی معاشرے کی تشکیل و تعمیر کا حصہ ہے، دسترخوان بچھا کر کھانا کھانے کا سب سے بڑا فلسفہ یہ ہے کہ اِس کی وجہ سے رزق کی ناقدری نہیں ہوتی، دسترخوان پر جو کچھ گرا، یا اُس پر ڈالا گیا وہ ہمارے یا جانوروں کے کام آجائے گا؛ اِس لیے دسترخوان کا ادب یہ

---

(۱) بخاری، رقم: ۵۴۵۸

بھی ہے کہ اسے کوڑے دان کے اندر نہ جھاڑا جائے، نالیوں اور گندی جگہوں پر بچی ہوئی چیزوں کو نہ پھینکا جائے، وہ بھی اللہ کا رزق ہے، اُس کا کوئی حصہ ضائع نہیں ہونا چاہیے۔

لیکن جوں جوں مغربی تہذیب کا غلبہ ہمارے معاشرے پر بڑھ رہا ہے، رفتہ رفتہ اِسلامی آداب رخصت ہو رہے ہیں، اپنے بہت سے مسلمان بھائی دسترخوان بچھانے کا اہتمام نہیں کرتے، اور اب تو طلبہ کرام کی ایک بڑی تعداد ایسی ہوگئی ہے جو اِس کا اہتمام نہیں کرتی، راقم الحروف نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا ہے؛ حالاں کہ طلبۂ کرام، مستقبل کے داعیِ اسلام ہیں، انھیں اِس کا خاص اہتمام کرنا چاہیے، اور جب دسترخوان اٹھایا جائے یا بچا ہوا کھانا اٹھایا جائے تو سرکارِ دو عالم ﷺ کی بتائی ہوئی دعا کا اہتمام کرنا چاہیے؛ تاکہ ہم اِسلامی معاشرے کی تعمیر و ترقی کے معمار بن سکیں۔

حکمت اور پیغامِ نبوی

۱- مذکورہ دعا میں یہ پیغام ہے کہ انسان کی زبان کو ہر آن حمدِ باری میں مشغول رہنا چاہیے، اسے ہر لحہ اپنے پروردگار کا شکریہ ادا کرنا چاہیے، شکرِ الٰہی، احکامِ الٰہی پر عمل کرنے کی کلید ہے؛ کیوں کہ شکرِ الٰہی کی وجہ سے انسان کے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور یہی محبت انسان کو عبادت و ریاضت کی تلقین کرتی ہے، حدیث میں ہے: **الطاعم الشاكر بمنزلة الصائم الصابر** (۱) کھا کر شکر بجالانے والا صبر کرنے والے روزہ دار کی طرح ہے، روزہ دار چوں کہ کھانے پینے سے اِحتراز کرتا ہے؛ اِس لیے اجر پاتا ہے، پس اگر کھانے پینے والا بھی اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے تو وہ بھی ثواب کا حقدار ہوتا ہے؛ اِس لیے اللہ کی نعمتوں کو استعمال کرنے کے بعد شکر بجالانا چاہیے، شکر کے لیے الفاظ کیا ہوں، سرکارِ دو عالم ﷺ نے وہ بھی بتادیے، **الحمد لله حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه.** حمد و ثنا کے یہ الفاظ نہایت قیمتی اور اہم ہیں، ایک صحابی نے نماز میں یہ جملہ کہہ دیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے بارہ فرشتوں کو دیکھا کہ وہ اِن کلمات کی جانب سبقت کر رہے ہیں۔ (۲)

---

(۱) ترمذی، رقم: ۲۴۸۶ (۲) مسلم، رقم: ۶۰۰

۲- شکرِ الٰہی کے بعد یہ دعا کرائی جارہی ہے کہ اے ہمارے پروردگار، ہم دسترخوان اور بچا ہوا کھانا ضرور اٹھارہے ہیں؛ لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ کھانا ہمارے لیے کافی ہوگیا، اب ہمیں اِس کی ضرورت نہیں ؛ بلکہ ہم تاحیات کھانے کے محتاج ہیں اور ہم برتن الٹ دینے والے نہیں، ہمیں آئندہ اِس دسترخوان کی حاجت ہوگی "**غیر مودع**" یعنی دسترخوان اور کھانا ہم نے ہمیشہ کے لیے نہیں چھوڑ دیا، وقتی طور پر چھوڑ دیا ہے؛ کیوں کہ ہم ہمیشہ کھانے کے محتاج ہیں "**ولا مستغنی عنه**" یعنی ہم کبھی بھی کھانے سے بے نیاز نہیں ہوسکتے، بے نیاز تو آپ کی ذات ہے، الغرض اِن تینوں جملوں کے ذریعہ انسان کی عاجزی، اِحتیاج اور عبدیت کا اظہار کرایا جارہا ہے۔(۱)

۳- مفتی تقی عثمانی زید مجدہ فرماتے ہیں:

> انسان کا عجیب مزاج ہے کہ جب اُس کی خواہش اور حاجت پوری ہوجاتی ہے اور اس سے دل بھر جائے تو اس چیز سے نفرت ہونے لگتی ہے، اگر پیٹ بھرنے کے بعد وہی کھانا دوبارہ اُس کے سامنے لایا جائے تو طبیعت اُسی سے نفرت کرتی ہے، جس کی وجہ سے رزق کی ناقدری اور ناشکری کا اندیشہ ہوتا ہے؛ اِس لیے آپ نے یہ دعا تلقین فرمائی کہ اے اللہ! اس وقت یہ دسترخوان ہم اپنے سامنے سے اٹھا تو رہے ہیں؛ لیکن اِس وجہ سے نہیں اٹھارہے ہیں کہ ہمارے دل میں اِس کی قدر نہیں؛ بلکہ اِسی کھانے نے ہماری بھوک مٹائی ہے، اِسی سے ہمیں لذت ملی ہے اور نہ اِس وجہ سے اٹھارہے ہیں کہ ہم اس سے مستغنی اور بے نیاز ہیں، ہمیں دوبارہ اِس کی ضرورت ہے؛ پس اِس دعا کی برکت سے رزق کی ناقدری بھی نہیں ہوگی اور دوسری طرف اللہ ہمیں دوبارہ رزق عطا فرمائیں گے۔(۲)

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۲۷۰۸/۷ (۲) اسلام اور ہماری زندگی: ۳۳/۷

(۱۸) کسی کے یہاں کھانا(۱) کھا کر کھلانے والے کے لیے دعا

حضرت مِقداد رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر آسمان کی جانب اٹھایا اور یہ دعا پڑھی۔

اَللّٰهُمَّ أَطْعِمْ مَنْ أَطْعَمَنِي، وَاسْقِ مَنْ سَقَانِي۔ (۲)

ALLAMUMMA,AT'E'MMAN,AT'AMANEE,

WASQI,MAN,SAQAANEE

ترجمہ: اے اللہ جس نے مجھے کھلایا آپ اُسے کھلائیں اور جس نے مجھے پلایا آپ اُسے سیراب کریں۔

تشریح: مہمان نوازی انسانی اخلاق میں سے ایک بہترین خُلق ہے اور اسلام نے اِس پر خاص زور دیا ہے، مہمان نوازی صحابہ کرامؓ کی زندگی کا ایک خاص جز تھا، اِسلام نے میزبان اور مہمان دونوں کے حقوق بیان کیے ہیں؛ تاکہ انھیں اپنا کر ایک صالح اور اِسلامی معاشرہ کی تشکیل دی جاسکے، ایک روایت میں ہے کہ خداوندِ رحمٰن کی عبادت کرو اور بندگانِ خدا کو کھانا کھلاؤ اور سلام کو خوب پھیلاؤ، تم جنت میں سلامتی کے ساتھ پہنچ جاؤ گے(۳) اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ اِطعامِ طعام یعنی اللہ کے محتاج اور مسکین بندوں کو بطور صدقہ اور دوستوں، عزیزوں اور اللہ کے نیک بندوں کو بطور ہدیہ اخلاص ومحبت کے ساتھ کھانا کھلانا جنتی اعمال میں سے ہے، دوسری طرف اِسلام نے مہمان اور کھانا کھانے والے پر ضروری قرار دیا کہ وہ میزبان اور کھانا کھلانے والے کا شکریہ ادا کرے، اُس کے لیے دعائیں کریں؛ تاکہ دونوں کے درمیان الفت ومحبت پیدا ہو، ایک روایت میں ہے کہ جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کیا وہ اللہ کا بھی شکر گزار نہیں ہوسکتا(۴) پس جو شخص کسی کے گھر کھانا کھائے تو اس کے لیے نبوی ادب یہ ہے کہ وہ اُس کے لیے دعا کرے اور اُس کا شکریہ

---

(۱) اگر کوئی شخص کسی کو پانی، دودھ یا کوئی بھی مشروب پلائے تو پینے والے کو بھی مذکورہ دعا پڑھنی چاہیے(الاذکار:۱/۲۳۸)

(۲) مسلم، رقم:۲۰۵۵ (۳) الادب المفرد:۱/۹۸۱ (۴) ترمذی، رقم:۱۹۵۵

ادا کرے، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے یہاں مہمان ہوتے تو میزبان کے لیے دعائیں فرماتے اور اِس تعلق سے کئی دعائیں منقول ہیں، یہاں آسان سی دعا لکھی گئی ہے۔

حکمت اور پیغامِ نبوی

۱- مذکورہ دعا میں یہ تعلیم ہے کہ جو شخص بھی تمھارے ساتھ محبت اور اخلاص کا معاملہ کرے اور اُس کے ذریعہ سے تمھیں کوئی فائدہ پہنچے تو کم ازکم زبان سے اُس کا شکریہ ادا کرو، اُس کے لیے دعائیں کرو، اِس سے آپسی محبت میں اِستحکام پیدا ہوگا، اور چوں کہ اُس نے تمھیں کھانا کھلایا ہے، اِس لیے رزق میں خیر و برکت کی دعا کرنا مناسب ہے، اگر کوئی شخص کسی کو کھانا کھلائے اور کھانے والا کھانا کھا کر چپ چاپ چلا جائے تو اِس سے نفرت پیدا ہوگی، میزبان اور کھلانے والے کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات وخدشات پیدا ہوں گے اور جب وہ دعا کے ساتھ رخصت ہوگا تو میزبان کو دلی مسرت حاصل ہوگی اور اِس طرح ایک صالح معاشرہ وجود میں آئے گا؛ کیوں کہ دعوت کی حقیقت ہی ''محبت کا اظہار'' ہے۔

۲- محسن کا شکرگذار ہونا انسان کی فطرت ہے، اور جس کی عادت لوگوں کے انعام کی ناشکری کرنا ہو، ڈر ہے کہ وہ اللہ کی بھی ناشکری کرے گا وہ کبھی اللہ کی نعمتوں کا شکرگذار نہیں ہوگا، مذکورہ دعا میں قولی شکریہ کی تعلیم دی گئی ہے؛ تاکہ انسان کو اس کی فطرت پر عمل کرایا جائے اور قولی شکریہ کا کم سے کم درجہ دعا دینا ہے۔

فائدہ: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، انھوں نے روٹی اور روغنِ زیتون پیش کیا، آپ نے تناول فرمایا، پھر ان کے لیے یہ دعا کی:

أَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ وأَكَلَ طَعَامَكُم الأبرارُ وصَلَّتْ عَلَيْكُم الملائكَةُ. (۱)

ترجمہ: روزے دار تمھارے یہاں افطار کیا کریں اور نیک لوگ تمھارے یہاں کھانا کھایا کریں اور فرشتے تمھارے لیے دعا کیا کریں۔

---

(۱) ابوداؤد، رقم: ۳۸۵۴

میزبان کی حیثیت کے پیشِ نظر مذکورہ دعا بھی نہایت اہمیت کی حامل ہے، کسی کو یہ دعا دینا کہ تمھارے گھر روزہ دار افطار کریں، نیک لوگوں کا تمھارے گھر آنا جانا ہو، بہت بڑی بات ہے، اگر یہ دعا قبول ہو جائے تو میزبان کے وارے نیارے ہو جائیں؛ اِس لیے کہ روزے دار اور نیک لوگوں کی آمد کی وجہ سے اس کے گھر، آل اولاد اور رزق میں خوب برکت ہوگی، یہ دنیا کا فائدہ ہوا، آخرت کا فائدہ یہ ہے کہ فرشتے اس کے لیے دعا کریں گے اور ان معصوم اور قُدسی مخلوق کی دعا رد نہیں ہوتی، پس یہ دعا، گویا مہمان کی طرف سے میزبان کو ایک زبردست اور قیمتی تحفہ ہے، آج مختلف تقریبات میں دور و پاس: ہر جگہ سے مہمان آتے ہیں، کھانا کھا کر "شکریہ" کہہ کر چلے جاتے ہیں اور کچھ تو صرف سلام پر اِکتفا کرتے ہیں، مذکورہ دعائیں پڑھنا یاد نہیں رہتا، اِس جانب توجہ کی ضرورت ہے، اللہ ہمیں اِس کی توفیق دے۔

(۱۹) آئینہ دیکھتے وقت پڑھنے کی دعا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (آئینہ دیکھنے کے وقت) یہ دعا پڑھتے تھے۔

(۱) **اللهم حَسَّنْتَ خَلْقِي فَحَسِّنْ خُلُقِي.** (۲)

ALLAHUMMA, HASSANTA,KHALQEE,

FA,HASSIN,KHULUQEE

ترجمہ: اے اللہ ! آپ نے مجھے بہت اچھا بنایا ہے، آپ میرے اخلاق بھی اچھے کر دیجیے۔

تحقیق وتشریح

انسان فطری طور سے حسن و جمال کو پسند کرتا ہے، حسن و جمال کی دو قسمیں ہیں: ایک ظاہری حسن و جمال یعنی اپنا سراپا، دوسرے باطنی حسن و جمال جسے اخلاق کہتے ہیں، اول الذکر حسن دکھائی دیتا ہے، اور ثانی الذکر حسن دکھائی تو نہیں دیتا؛ لیکن اس کے انوار و برکات اور ثمرات انسانی زندگی میں دکھائی دیتے ہیں، ظاہری حسن میں ''چہرہ'' کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور چہرے کے نشیب وفراز اور حُسن وقبح سے شخصیت کا امتیاز ہوتا ہے؛ لیکن اللہ نے ''چہرہ'' کو جسم کے ایسے حصے میں بنایا ہے کہ دوسرے تو اسے دیکھ سکتے ہیں، خود چہرہ کا مالک اُسے نہیں دیکھ سکتا، اِس لیے خود اپنا

---

(۱) آئینہ دیکھنے کی جو دعا صراحۃً منقول ہے، وہ یہ ہے: **الحمد لله الذي حَسَّنَ خَلْقِيْ، وزَانَ مِنِّي مَا شَانَ مِن غَيْرِيْ.** (شعب الایمان، رقم: ۴۴۲۵) یعنی حمد وشکر اس اللہ کے لیے جس نے میرے جسم کو برابر موزوں بنایا اور مجھے اچھی شکل وصورت عطا فرمائی اور مجھے اس خوشنمائی سے نوازا جس سے دوسرے بہت سے بندوں کو نہیں نوازا گیا، اوپر جو دعا لکھی گئی ہے اس میں صراحۃً یہ منقول نہیں ہے کہ آپ نے مذکورہ دعا آئینہ دیکھتے ہوئے پڑھی تھی؛ لیکن محدثین اور شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ مذکورہ دعا کو آئینہ دیکھتے وقت بھی پڑھ سکتے ہیں: چناں چہ علامہ نوویؒ نے مذکورہ دعا پر یہ عنوان لگایا ہے **باب ما يقول إذا نظر في المرآة** (الاذکار: ۱/۳۰۴) اور ملا علی قاریؒ نے علامہ جزریؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپ نے مذکورہ دعا آئینہ دیکھتے وقت پڑھی تھی اور شعب الایمان والی روایت سے اِس کی تائید بھی ہوتی ہے اور عوام الناس کے اعتبار سے یہی دعا موزوں اور مناسب ہونے کے ساتھ آسان بھی ہے، مرقاۃ: ۸/۳۱۸۴) (۲) مسند ابی یعلی الموصلی، رقم: ۵۰۷۵

چہرہ دیکھنے، اُسے سنوارنے، بالوں میں کنگھا کرنے کے لیے انسان کو آئینہ دیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے؛ چناں چہ مرد ہوں یا عورتیں، بچے ہوں یا جوان یا پھر بوڑھے ہر کوئی اپنی شخصیت اور اپنا چہرہ دیکھنے کے لیے آئینہ کا محتاج ہے، ایسے موقع پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹی سی دعا کی تلقین فرمائی ہے، دعا ہے تو بہت مختصر؛ لیکن اُس میں معانی کی پوری کائنات پوشیدہ ہے، مذکورہ دعا کا تجزیہ کیا جائے تو اس میں دو مضمون ہیں: ایک ''اقرار و شکر'' سے متعلق ہے؛ جب کہ دوسرا ''درخواست'' سے تعلق رکھتا ہے۔

خَلْق اور **خُلُق** عربی کے دو لفظ ہیں:

خَلْق (خاء کے زبر کے ساتھ) سے مراد ظاہری اوصاف اور انسانی شکل و شباہت ہے۔

خُلُق (خاء اور لام پر پیش کے ساتھ) عربی میں اس کی جمع اَخلاق آتی ہے، اِس کے معنی پختہ عادت کے ہیں اور اصطلاح میں: خُلق سے مراد انسان کی ایسی کیفیت اور پختہ عادت ہے جس کی وجہ سے بغیر کسی فکر و توجہ کے نفس سے اعمال سرزد ہوں، یہ اخلاق اچھے اور برے دونوں طرح کے ہوتے ہیں، اِسلام میں اچھے اخلاق یعنی حُسنِ خُلق اور حُسنِ اخلاق کی بڑی اہمیت ہے، ایک مسلمان کے لیے عمدہ اور حَسین اخلاق کا مالک ہونا بہت ضروری ہے، اخلاقِ حَسنہ میں: عفو و درگزر، صبر و تحمل، قناعت و توکل، خوش خُلقی و مہمان نوازی، تواضع و انکساری، خلوص و محبت جیسے اوصاف قابلِ ذکر ہیں، حسنِ خلق کی بڑی علامت یہ ہے کہ جب کسی پر غصہ آئے اور اُسے سزا دینا چاہے تو نفس کو ہدایت کرے کہ اللہ کا ارشادِ گرامی ہے: **وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ**۔ (۱) (اور دبا لیتے ہیں غصہ اور معاف کر دیتے ہیں لوگوں کو) یعنی غصہ کو پی جانا اور لوگوں کی زیادتی اور غلطیوں کو بالکل معاف کرنا اخلاقِ حسنہ کی کسوٹی ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے: **بُعِثْتُ لأتممَ حُسنَ الأخلاق** (۲) یعنی مجھے حسنِ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے؛ چناں چہ تمام اعلیٰ اخلاق، اعلیٰ کردار، اِنفرادی اور اجتماعی کردار کے تعلق سے آپ نے امت کو آگاہ کیا اور خود اُس کا حق ادا کر دیا اور ایسا کیا کہ قرآن نے **إِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ** (۳) جیسے الفاظ میں آپ کے اعلیٰ اخلاق کی شہادت دی؛ یعنی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) آل عمران،۳: ۱۳۴ (۲) موطا مالک، رقم: ۳۳۵۷ (۳) القلم، ۶۸: ۴

کی زبان قرآن ہے اور آپ ﷺ کے اعمال واخلاق، قرآن کی خاموش تفسیر یعنی قرآن کریم جن اعلیٰ اعمال واخلاق کی تعلیم دیتا ہے، آپ اُن سب کا عملی نمونہ ہیں۔

آپ ﷺ نے اپنے ارشاداتِ عالیہ میں بڑے موثر اسلوب میں اخلاقِ حسنہ کو اپنانے کی تلقین فرمائی ہے، ایک روایت میں ہے: کامل مومن وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں (۱) دوسری جگہ ہے: مومن اپنے حسن اخلاق سے دن میں روزہ رکھنے والے اور رات میں عبادت کرنے والے کا درجہ پالیتا ہے۔(۲) ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے دن مومن کی میزانِ عمل میں اچھے اخلاق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہیں ہوگی (یعنی اخلاقِ حسنہ کا درجہ ایمان کے بعد ارکانِ اسلام سے بھی بڑھا ہوا ہے)(۳)

بہر حال مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ حسنِ خلق کا مسئلہ زندگی کے بنیادی مسائل میں سے ہے، اخلاق دراصل زندگی کے طریقے سلیقے اور قرینے کا نام ہے اور اِسی کی تعلیم وتربیت درحقیقت دین کا حقیقی مقصود ہے اور یہ کہنا بجا ہوگا کہ دینِ اِسلام عبادات سے شروع ہوتا ہے اور اچھے اخلاق پر ختم ہوتا ہے، اور ہمیں زندگی کا وہی سلیقہ اور قرینہ چاہیے جو خدا نے اپنے رسول کے ذریعہ سے ہمیں سکھایا ہے، آخرت میں خوش اخلاقی کا نتیجہ ارحم الراحمین کی رضا اور جنت ہے اور بداخلاقی کا انجام خداوندِ غالب وقہّار کا غضب ودوزخ ہے، مذکورہ دعا کے اندر سرکارِ دوعالم ﷺ نے تمام اخلاق کو سمیٹ لیا ہے۔

آج مسلمانوں میں اخلاقی گراوٹ اِس درجہ ہے کہ **الأمان والحفیظ** اور یہی اخلاقی زوال مسلمانوں کے زوال کا سبب ہے؛ کیوں کہ جب کوئی معاشرہ اخلاقی گراوٹ کا شکار ہوجاتا ہے تو وہاں سے انصاف، رواداری، برداشت، قناعت وتوکل اور خلوص ومحبت سب ختم ہوجاتے ہیں، اور اِس اخلاقی اِنحطاط کی سب سے بڑی وجہ اِسلامی تعلیمات سے دوری ہے، سرکارِ دوعالم ﷺ کی سنتوں سے ناواقفیت ہے، دین بیزاری کے اِس دور میں تو آئینہ دیکھنے کے وقت پڑھی جانے والی اِس دعا کی اہمیت دو چند ہوجاتی ہے، آیئے ہم سب مل کر اللہ سے اخلاقِ حسنہ کے حصول کی دعا کریں، گھروں میں عورتیں اور بچیوں کو اِس کی تلقین کریں؛ کیوں کہ مردوں کے مقابلہ میں، خواتین آئینہ بہ کثرت دیکھتی ہیں، بہتر ہوگا کہ مذکورہ دعا آئینہ کے اوپر لکھ کر چپکا دی جائے۔

(۱) ابوداؤد، رقم: ۴۶۸۶ (۲) ابوداؤد، رقم: ۴۷۹۸ (۳) ترمذی، رقم: ۲۰۰۲

حکمت اور پیغامِ نبوی

۱- جب انسان آئینہ دیکھتا ہے تو دائیں بائیں اور دنیا و مافیھا سے بےخبر ہو جاتا ہے اور اللہ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے، سرکارِ دو عالم ﷺ نے غفلت کے ان لمحات کو ایک دعا کے ذریعہ ذکرِ الٰہی سے معمور فرما دیا اور آئینہ دیکھنے کو بھی عبادت بنا دیا۔

۲- دعا کے پہلے حصہ میں بندے سے یہ اقرار کرایا جا رہا ہے کہ اللہ نے اُسے حسن و جمال سے نوازا ہے، اُسے اَشرف المخلوقات کا تمغہ عطا فرمایا ہے، اسے جانوروں میں پیدا نہیں کیا یا اس کا چہرہ جانوروں جیسا نہیں بنایا، جب بندہ اپنے رب کے سامنے اِس بات کا اقرار کرتا ہے تو اُس کے اندر شکر گذاری کے جذبات ابھرتے ہیں اور وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، جس کی وجہ سے اللہ کے ساتھ اس کی محبت اور جذبۂ عُبودِیت میں برابر ترقی ہوتی رہتی ہے اور وہ خود پسندی اور کبرِ نفس جیسے مُہلک اَمراض سے محفوظ رہتا ہے۔

۳- دعا کے دوسرے حصے میں بندہ سے یہ کہا گیا کہ تم اپنے ظاہری حسن و جمال اور شکل وصورت سے زیادہ باطنی حسن و جمال پر توجہ دو، تم اللہ سے اپنے لئے حسنِ اخلاق مانگو، یہی انسانیت کا باکمال جوہر ہے اور حسنِ اجسام سے بھی اعلیٰ ہے، صورت اور سیرت دونوں کی بہتری دنیا وآخرت دونوں جگہ کامیابی کا زینہ ہے، اور چوں کہ باطنی ترقیات کی کوئی انتہاء نہیں ہے؛ اس لیے باطنی ترقیات (حسنِ اخلاق) پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ (۱)

۴- حسن، دنیا کی اُن پُر فریب چیزوں میں داخل ہے جو اکثر اوقات موجبِ فتنہ ہو جاتی ہیں اور انسانوں کو ایک بدتر حیوان بنا دیتی ہے اور جب شیشہ دیکھنے کی نوبت آتی ہے تو ایک گونہ خود پسندی اور خودنمائی دماغ میں پیدا ہو جاتی ہے؛ لیکن اِس دعا کے ذریعہ اُسی خود پسندی کو ختم کرنے کی یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اِس میں ذاتی کمال کون سا ہے؟ یہ سب اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے، وہ جب چاہے چھین لے۔

حسن والے! حسن کا انجام دیکھ ☆ ڈوبتے سورج کو وقتِ شام دیکھ

اور جیسے ہر آدمی کی آرزو ہوتی ہے کہ وہ حسینِ عالَم کا خطاب حاصل کرے، اِس موقع پر

اُس کو باطنی اور حقیقی حسن کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔(۲)

(۱) مرقاۃ المفاتیح:۳۱۸۴/۸ (۲) چالیس دعائیں،ص:۴۱

(۲۰) لباس پہننے کے بعد کی دعا

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو بندہ کپڑا پہنے تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

الحمدُ للهِ الذي كَسَاني هذا الثوبَ ورَزَقَنِيْهِ
مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنّي ولاَ قُوَّةٍ. (۱)

ALHAMDULILLAHILLAZEE,KASAANEE,
HAZASSAUB,WARAZAQANEEHI,MIN,
GHARI,HAULIMMINNEE,WALAQUWWAH

ترجمہ: ساری حمد وستائش اُس اللہ کے لیے جس نے مجھے یہ کپڑا پہنایا اور بغیر میری سعی وتدبیر اور قوت وطاقت کے مجھے عطا فرمایا۔

تشریح: دنیا میں زندگی گذارنے کے لیے جو چیزیں لازم ہیں،لباس ان میں سے ایک بنیادی عنصر ہے،لباس قدرت کی ایک عظیم نعمت ہے اور یہ صرف نعمت ہی نہیں ؛ بلکہ موجبِ زینت بھی ہے،دنیا کی ہر مہذب اور باشعور قومیں لباس کو لازم قرار دیتی ہیں بغیر امتیازِ مذہب وملت سب ہی اس کے پابند ہیں یعنی لباس انسان کی ایک فطری ضرورت ہے۔

اسلام کی تعلیمات زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہیں؛ لہٰذا ان کا تعلق ہماری معاشرت اور رہن سہن کے ہر حصے سے ہے؛ چوں کہ لباس بھی زندگی کے لوازمات میں ہے؛ اِس لیے کتاب وسنت میں اِس کے بارے میں بھی تفصیلی ہدایات موجود ہیں،لباس کے تعلق سے ایک اہم اِسلامی تعلیم لباس زیب تن کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی دعا کا پڑھنا ہے،لباس ہماری روزمرہ کی ضرورت ہے،پس اِسلامی تہذیب ومعاشرت کا تقاضا ہے کہ ہم لباس اور کپڑا پہنتے وقت مذکورہ

دعا کا اہتمام کریں۔

(۱) ابوداود، رقم: ۴۰۲۳

حکمت اور پیغامِ نبوی

۱- مذکورہ دعا پڑھنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایسے شخص کے تمام گناہِ صغیرہ معاف کردیے جاتے ہیں(۱) ہر انسان سے صغیرہ گناہوں کا بہ کثرت صدور ہوتا ہے، اللہ کا کتنا بڑا کرم ہے کہ ایک چھوٹی سی دعا پڑھ لینے کی وجہ سے وہ سب معاف ہوجاتے ہیں، مولانا منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں:

> بعض اعمال بظاہر بڑے چھوٹے سے ہوتے ہیں؛ لیکن اللہ کی نگاہ میں وہ بہت بڑے اور اس کی میزان میں بہت بھاری ہوتے ہیں اور اُن کا نتیجہ بڑا غیر معمولی نکلتا ہے، اِس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جو بندہ کھانے (یا کپڑا) پہننے کے بعد صدق دل سے یہ اعتراف کرے کہ کھانا (یا کپڑا) مجھے میرے پروردگار اور پالنہار نے عطا فرمایا، میرے کسی ہنر اور کسی صلاحیت اور استحقاق کو اِس میں کوئی دخل نہیں تھا، جو کچھ عطا فرمایا وہ اُس نے صرف اپنے کرم سے عطا فرمایا، اور ساری حمد وستائش کا مستحق وہی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی اِس حمد کی اتنی قدر فرمائے گا کہ اس کے سارے پہلے گناہ اس کی برکت سے بخش دے گا۔(۲)

اِس حدیث سے جس میں گناہوں سے اتنی زبردست معافی کی بشارت ہے، ایک نہایت مختصر سے عمل پر اللہ کے رحم وکرم کا امت محمدیہ پر بے کراں ہونا معلوم ہورہا ہے، اِس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شانِ محبوبیت کو دخل ہوگا، جس کی امت کو قدردانی کرنی اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے، واللہ تعالیٰ الموفق.(۳)

۲- مذکورہ دعا میں یہ پیغام ہے کہ جب انسان نے جسم پر لباس پہن لیا تو اسے اِترانا نہیں چاہیے؛ بلکہ یہ احساس کرنا چاہیے کہ یہ لباس کی نعمت میرے رب نے مجھے دی ہے؛ لہٰذا اِس کا

شکر یہ ادا کرنا ضروری ہے، یہی چیز عبدیت کا جوہر ہے، دنیا میں کتنے لوگ ہیں جنھیں ڈھنگ کا لباس

(۱) ابوداؤد، رقم: ۴۰۲۳ (۲) معارف الحدیث: ۵/۱۴۱ (۳) الدر المنضود: ۶/۱۲۰

نصیب نہیں، دنیا میں کتنے لوگ ہیں جن کے پاس ستر پوشی کے لیے لباس ہے؛ لیکن انھیں بے ستری اور ننگا پن پسند ہے، اللہ نے مجھے اس سے محفوظ رکھا ہے، یہ اللہ کا سراپا احسان وکرم ہے، اِس اظہارِ عبدیت سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے، گویا مذکورہ دعا بھی ''نظامِ حمد وشکر'' کا حصہ ہے۔

۳- لباس بلاتفریقِ مذہب وملت سب پہنتے ہیں، مذکورہ دعا کے ذریعہ بندگانِ خدا اور باغیانِ خدا میں فرق ہوتا ہے۔

۴- مذکورہ دعا میں یہ تعلیم بھی ہے کہ تم نے جو لباس زیب تن کیا ہے یقیناً تم نے محنت ومزدوری کے بعد حاصل ہونے والے پیسوں سے خریدا ہوگا؛ لیکن تم اپنی محنت، کمائی اور جدوجہد کو اہمیت نہ دو؛ بلکہ یہ عقیدہ رکھو کہ یہ سب اللہ کی مدد اور توفیق کی وجہ سے ہے، تمھاری محنت، تمھارا کمانا یہ سب اَسباب ہیں اور اسباب میں تاثیر، توفیقِ الٰہی اور نصرتِ باری تعالیٰ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے؛ پس تم اِس موقع پر یہ اعتراف کرو کہ یہ لباس مجھے میرے رب نے محض اپنے فضل وکرم سے عطا فرمایا ہے۔

(۲۱) لباس اتارتے وقت پڑھنے کی دعا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی بندہ اپنا لباس اتارنا چاہے تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ (۱)

BISMILLAHILLAZEE,LAA,ILAHA,ILLAH,HU

تشریح وپیغامِ نبوی

لباس پہننے کے بعد اتارنے کی نوبت ضرور آتی ہے اور تقریباً سارے لوگ دن اور رات میں کئی مرتبہ کپڑے اتارتے اور پہنتے ہیں، لباس کو اتارنے اور پہننے کے کئی مقاصد ہو سکتے ہیں، مثلاً غسل کے لیے لباس اتارنا، سونے کے لیے لباس اتارنا اور سونے والا لباس پہننا، بیداری کے بعد ایک لباس اتارنا اور دوسرا لباس زیب تن کرنا، اسکول کا یونیفارم یا آفس ڈریس پہننے کے لیے گھریلو کپڑے اتارنا، اِسلام نے جیسے لباس کے بعد ذکر الٰہی کی تلقین فرمائی ہے ویسے ہی لباس اتارتے وقت ایک دعا کی تعلیم اور ہدایت دی ہے، ایک خوش گوار، صالح اور اِسلامی ماحول پیدا کرنے کے لیے اِس کا اہتمام اسلامی تقاضا ہے۔

۱- کپڑا اتارتے وقت دعا کی تلقین کیوں کی گئی ہے، روایت میں ہے کہ انسان جب لباس اتارتا ہے تو اس کے جسم کے حصے کھل جاتے ہیں، بعض دفعہ قابلِ ستر اَعضاء بھی کھل جاتے ہیں، جنات کی نگاہیں پڑتی ہیں تو شیاطینِ جن شرارت کا موقع اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، وہ شرم گاہوں سے کھلواڑ کرتے ہیں؛ پس اُن کی شرارتوں سے بچنے کے لیے یہ دعا تلقین کی گئی ہے؛

کیوں کہ مذکورہ دعا پڑھ لینے سے شیاطین کو انسان کی شرم گاہیں نظر نہیں آتیں؛ اِس لیے اُن کے لیے

(۱) عمل الیوم لابن السنی، رقم: ۲۷۳

کھلواڑ کرنا ممکن نہیں۔

۲- لباس اتارنے کے بعد انسان کے اندر بعض دفعہ سفلی جذبات ابھر جاتے ہیں، ایسے موقع پر شیطان انسان کے دل میں فاسد خیالات وخواہشات پیدا کرتا ہے، مذکورہ دعا پڑھ لینے سے انسان اللہ کی پناہ میں آجاتا ہے اور غلط کاری سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

مذکورہ دعا کی مزید حکمتوں کے لیے ''بیت الخلاء جانے کی دعا'' مطالعہ فرمائیں۔

فائدہ: ایک دوسری روایت میں کپڑا اتارتے وقت پڑھنے کی دعا صرف ''بسم اللہ'' منقول ہے(۱) اِس لیے صرف بسم اللہ بھی پڑھ سکتے ہیں، اور چوں کہ بسم اللہ کے ساتھ ''الرحمٰن الرحیم'' کا اضافہ منقول نہیں ہے؛ اِس لیے الرحمٰن الرحیم کا اضافہ نہ کیا جائے۔

(۱) ابن السنی، رقم: ۲۷۰

(۲۲) نیا لباس پہننے کے وقت کی دعا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بندہ نیا کپڑا پہنے تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

الحمدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَسَانِيْ مَا أُوَارِيْ بِهِ عَوْرَتِيْ وَأَتَجَمَّلُ بِهِ فِيْ حَيَاتِيْ. (۱)

ALHAMDULILLAHILLAZEE,KASAANEE,
MAA,UWAAREE,BIHI,AURATEE,WA,
ATAJAMMALU,BIHI,FEE,HAYATEE

ترجمہ: حمد وشکر اُس اللہ کے لیے جس نے مجھے وہ لباس عطا فرمایا جس سے میں اپنی پردہ داری کرتا ہوں اور زندگی میں وہ میرے لیے سامانِ زینت بنتا ہے۔

تشریح و پیغامِ نبوی

نیا لباس اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے، نئے جوڑے اور لباس سے انسان خوش ہوتا ہے اور ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ نیا نیا لباس زیب تن کرے، اسلام نے اِس سے منع نہیں کیا ہے؛ البتہ یہ ضرور کہا ہے کہ جب انسان نیا لباس زیب تن کرے تو خوشی کا اظہار کرے، اللہ تعالیٰ کے احسان کے اِستحضار کے ساتھ اُس کی حمد اور اُس کا شکر ادا کرے اور شکر کے جذبات سے سرشار ہو کر وہ دعا پڑھے جو سرکارِ دو عالم ﷺ پڑھا کرتے تھے، اِسلامی تہذیب اور اِسلامی طرزِ معاشرت کا یہی تقاضا ہے۔

مذکورہ دعا کا یہ پیغام ہے کہ انسان نعمتوں پر شکرِ الٰہی کی ادائیگی کی عادت ڈال لے، اِس کا

فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اُسے بے شرمی، بے ستری اور بے حیائی کے مواقع سے محفوظ رکھیں گے، اُس لباس سے اُس کے جسم کی حفاظت فرمائیں گے، اُس لباس کو اس کے لیے زیب وزینت کا

(۱) ترمذی، رقم: ۳۵۶۰

ذریعہ بنائیں گے، نئے کپڑے پہننے کے باوجود اللہ اسے، دوسروں پر بڑائی، غرور اور تکبر سے بچائیں گے؛ کیوں کہ مذکورہ روایت میں مزید تفصیل یہ ہے کہ جو شخص نیا لباس پہنتا ہے اور یہ دعا پڑھتا ہے اور پھر اپنا پرانا کپڑا غریب کو صدقہ کر دیتا ہے تو وہ زندگی میں اور مرنے کے بعد اللہ کی حفاظت ونگہبانی میں رہے گا اور اللہ تعالیٰ اُس کی پردہ داری فرمائے گا۔(۱) اللہ اکبر مذکورہ دعا پڑھنے پر کتنی بڑی بشارت ہے، اللہ ہمیں توفیق دے۔

لباس کے دو فائدے یاد کیجیے

اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے: **یَا بَنِیْ آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاساً یُوَارِیْ سَوْءٰ اتِکُمْ وَرِیْشاً.** (۲)

اے اولادِ آدم! ہم نے اتاری تم پر پوشاک جو ڈھانکے تمھاری شرمگاہیں اور اُتارے آرائش کے کپڑے، مفتی شفیع صاحب عثمانیؒ اِس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> اِس میں لباس کے دو فائدے بتلائے گئے ہیں: ایک ستر پوشی، دوسرے سردی گرمی سے حفاظت اور آرائشِ بدن اور پہلے فائدہ کو مقدم کر کے اِس طرف اشارہ کر دیا کہ انسانی لباس کا اصل مقصد ستر پوشی ہے اور یہی اُس کا عام جانوروں سے امتیاز ہے...... اور حضرت آدم وحوا اور اِغواءِ شیطانی کا واقعہ بیان کرنے کے بعد لباس کے ذکر کرنے میں اِس طرف اشارہ ہے کہ انسان کے لیے ننگا ہونا اور قابلِ شرم اعضاء کا دوسروں کے سامنے کھلنا انتہائی ذلت ورسوائی اور بے حیائی کی علامت اور طرح طرح کے شر وفساد کا مقدمہ ہے، انسان پر شیطان کا پہلا حملہ اس کو ننگا

کرنے کی صورت میں ہوا، آج بھی نئی شیطانی تہذیب انسان کو برہنہ یا نیم برہنہ کرنے میں لگی ہوئی ہے..........شیطان نے انسان کے اِس

(۱) ترمذی، رقم: ۳۵۶۰ (۲) الأعراف، ۷: ۲۶

کمزور پہلو کو بھانپ کر پہلا حملہ انسان کی ستر پوشی پر کیا، تو شریعت اِسلام جو انسان کی ہر صلاح وفلاح کی کفیل ہے، اُس نے ستر پوشی کا اہتمام اتنا کیا کہ ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض ستر پوشی کو قرار دیا، نماز، روزہ وغیرہ سب اس کے بعد ہے۔

اس کے بعد نیا لباس پہننے کی مذکورہ دعا کو ذکر کر کے لکھتے ہیں:

اِس حدیث میں بھی انسان کو لباس پہننے کے وقت انہی دونوں مصلحتوں کو یاد دلایا گیا ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسانی لباس پیدا فرمایا ہے۔(۱)

تنبیہ: لباس اور نیا لباس پہننے اور اتارنے کی نوبت مردوں سے زیادہ عورتوں اور لڑکیوں کو پیش آتی ہے، کچھ اُن کی فطرت بھی ہے؛ اِس لیے گھروں میں اس کا اہتمام ہونا چاہیے، بچپن سے ہی بچوں اور بچیوں میں اِس کی عادت ڈالنی چاہیے اور اِس کے لیے ضروری ہے کہ گھر کے بڑے ان دعاؤں کا اہتمام کریں۔

(۱) تلخیص: معارف القرآن: ۵۳۵/۴

(۲۴) سواری پر سوار ہونے کے وقت کی دعا

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: اور جس نے بنائے سب چیز کے جوڑے اور بنادیا تمھارے واسطے کشتیوں اور چوپایوں کو جس پر تم سوار ہوتے ہو؛ تاکہ تم ان کی پشت پر چڑھو پھر جب اُن پر چڑھ کر بیٹھ جاؤ تو اپنے پروردگار کی نعمت کو یاد کرو اور یہ کہو:

سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ. (۱)

SUB,HANAL,LAZEE,SAKK'HARA,LANAA,HAAZA,
WAMAA,KUNNAA,LAHU,MUQRINEEN,WA,
INNAAILAA,RABBINAA,LA,MUNQALIBOON.

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے اِس سواری کو ہمارے بس میں دے دیا؛ ورنہ ہم میں یہ طاقت نہیں تھی کہ اِس کو قابو میں لا سکتے، اور بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

تشریح وتفسیر

سفر اور سواری انسانی زندگی کا حصہ ہیں، جیسے زمانۂ قدیم میں لوگ اسفار کے لیے سواریاں استعمال کرتے تھے ویسے ہی عصر حاضر میں بھی سواریوں کا استعمال بہ کثرت ہوتا ہے، یہ سواریاں خدا کی بہت بڑی نعمت ہیں؛ کیوں کہ ان کی وجہ سے کم وقت میں آرام کے ساتھ انسان ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے، اور موجودہ دور میں تو انسان نے سواریوں کا ایسا نظام بنالیا ہے اور سواریوں کے تعلق سے ایسی ترقی کرلی ہے کہ آج سے سو سال پہلے اِن کا تصور نہیں تھا، زمینی اور فضائی: ہر سفر کے لیے سواریاں موجود ہیں اور انسان اپنی وسعت کے اعتبار سے ان کا استعمال کرتا ہے، سائیکل، بائک اور فوروہیلر تو ہر گھر کی زینت ہیں، بہر حال یہ سب اللہ کی نعمت ہیں؛ پس اِن

کے استعمال کے وقت، اِن پر بیٹھنے کے بعد اپنے رب کو یاد کرنا ضروری ہوگا، ایسے موقع پر نعمت دینے والے کو فراموش کر دینا، دل کے مردہ اور عقل وضمیر کے بے حس ہونے کی علامت ہے، ایک زندہ اور حساس قلب وضمیر رکھنے والا انسان تو ان سواریوں پر جب بیٹھے گا تو اُس کا دل احساسِ نعمت اور

(۱) الزخرف:۱۳، ۱۴

شکرِ نعمت کے جذبے سے لبریز ہو جائے گا؛ مذکورہ آیات میں اِسی جانب اشارہ ہے اور اِسی لیے سرکارِ دوعالم ﷺ سواری پر بیٹھتے وقت دعا کا اہتمام فرمایا کرتے تھے، اِس تعلق سے آپ سے تفصیلی دعائیں منقول ہیں، سہولت کے لیے یہ مختصر قرآنی دعا لکھی گئی ہے؛ پس جب ہم سائیکل، بائک، کار، بس، ٹرین اور ہوائی جہاز پر بیٹھیں تو مذکورہ دعا ضرور پڑھیں۔

حکمت اور پیغامِ الٰہی

۱- انسان جن سواریوں پر سواری کرتا ہے وہ دو قسم کی ہیں: ایک وہ سواریاں جن کے بنانے میں انسان کا کچھ نہ کچھ دخل ہوتا ہے ''کشتیوں'' سے اِس قسم کی سواریوں کی طرف اشارہ ہے اور دوسری قسم کی سواریاں وہ ہیں جن کے بنانے میں انسان کا کوئی دخل ہی نہیں جیسے گھوڑے، اونٹ اور سواری کے دوسرے جانور، چوپایوں سے اُن کی طرف اشارہ ہے اور آیتِ کریمہ کا مقصد یہ ہے کہ دونوں قسم کی سواریاں اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں، سواری کے جانور اگر چہ انسان سے کہیں زیادہ طاقت ور ہوتے ہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں انسان کے اِس طرح قابو میں دے دیا ہے کہ ایک بچہ بھی ان کو لگام دے کر جہاں چاہے لیے پھرتا ہے اور جن سواریوں کی صنعت میں انسان کا کچھ دخل ہے مثلاً کشتیاں، جہاز، کاریں، ریلیں وغیرہ، اُن کا خام مواد بھی اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو اتنی سمجھ دی ہے کہ وہ یہ سواریاں بنانے کے قابل ہوا۔

اِس دعا میں اول تو اِس بات کا شکر اور اعتراف ہے کہ یہ سواری اللہ تعالیٰ کا اِنعام ہے اور دوسرے اِس کے آخری جملے میں انسان کو اِس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ دنیا کے کسی بھی سفر میں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ اسے ایک آخری سفر پیش آنے والا ہے، جس میں وہ دنیا کو چھوڑ کر اپنے پروردگار کے پاس پہنچے گا اور اُس وقت اپنے سارے اعمال کا جواب دینا ہوگا؛ اِس لیے یہاں رہتے ہوئے کوئی کام ایسا نہیں کرنا چاہیے جس کے نتیجے میں وہاں شرمندگی اٹھانی پڑے۔(۱)

۲- ایک صاحبِ عقل وہوش انسان کا کام یہ ہے کہ وہ منعمِ حقیقی کی نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے غفلت، بے پروائی، اور استغناء کا مظاہرہ کرنے کے بجائے اِس بات پر دھیان دے کہ یہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے؛ لہٰذا مجھ پر اُس کے شکر کی ادائیگی اور عجز ونیاز کا اظہار واجب ہے، ایک کافر اور مومن میں درحقیقت یہی فرق ہے کہ کائنات کی نعمتوں کو دونوں استعمال کرتے ہیں؛

---

(۱) آسان ترجمۂ قرآن، سورۂ زخرف، ۴۳: ۱۴

لیکن کافر انھیں غفلت اور بے پروائی سے استعمال کرتا ہے اور مومن اللہ کے انعامات کو مستحضر کر کے اپنا سرِ نیاز اس کے حضور جھکا دیتا ہے، اِسی مقصد سے قرآن وحدیث میں مختلف کاموں کی انجام دہی کے وقت صبر وشکر کے مضامین پر مشتمل دعائیں تلقین کی گئی ہیں اور اگر انسان اپنی روزمرہ زندگی میں اٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے ان دعاؤں کو اپنا معمول بنالے تو اس کا ہر مباح کام بھی عبادت بن جاتا ہے، سبحن الذی سخر لنا الخ یہ سواری پر بیٹھ کر پڑھنے کی دعا ہے...... یہ بات مشینی سواریوں پر بھی اِسی طرح صادق آتی ہے جس طرح جانوروں اور چوپایوں پر؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ان کا، خام مواد پیدا نہ کرتا یا اس میں وہ خواص وآثار نہ رکھتا یا انسانی دماغ کو ان خواص کے دریافت کرنے کی طاقت نہ بخشتا تو ساری کائنات مل کر بھی ایسی سواریاں پیدا نہ کرسکتی تھی۔(۱)

۳- موجودہ دور میں حادثاتی اموات کی کثرت ہے، گاڑیوں کی ٹکر، ریل اور ہوائی جہاز کے حادثات میں ہزاروں لوگ مرجاتے ہیں، دیس سے پردیس جانے والے کے لیے بہت سے خطرات اور طرح طرح کے امکانات وخدشات ہوتے ہیں، مذکورہ دعا میں یہ پیغام ہے کہ انسان سواری پر سوار ہوکر اپنی موت کو بھی یاد کرلے؛ تاکہ دورانِ سفر لہوولعب، بدنظری، جھوٹ ودھوکہ اور دیگر گناہوں سے پرہیز کرے اور اگر حادثے میں موت مقدر رہی ہو تو پاک وصاف موت ہو۔

آج ہم مسلمان روزانہ اپنی سواریوں اور گاڑیوں پر سوار ہوتے ہیں؛ لیکن کیا سوار ہوتے وقت ہم اللہ کا احسان دل سے یاد کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں سواری عطا کی ہے اور اُس نے ہمیں اِس قدر قوی اور ہنرمند بنادیا ہے کہ ہم سواری کو اپنے قابو میں لے آئے ہیں، اللہ کے کتنے بندے ہیں جن کے پاس خود کی گاڑی نہیں ہے، کتنے بندے ہیں جو خود سے گاڑی نہیں چلاسکتے، کتنے بندے ہیں جو اچھی اور قیمتی سواریاں نہیں خرید سکتے، اور کتنے بندے ہیں جو ہوائی جہاز کا سفر نہیں کرسکتے؛ پس اللہ نے ہمیں جب ان چیزوں سے نوازا ہے پس ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اِس پر اپنے رب کا شکر ادا

کریں؛ لیکن آج کا نوجوان جب گھر سے نکلتا ہے، دور یا پاس کے سفر میں ہوتا ہے تو اللہ کی پناہ میں آنے کے بجائے شیطانی کاموں کو اپنے اوپر حاوی کر لیتا ہے، سفری دعائیں پڑھنے کے بجائے اپنے کانوں میں ہیڈفون لگا کر گانے سننے لگ جاتا ہے، ایسے حالات میں ہم اللہ تعالیٰ سے خیر و عافیت اور حادثات سے حفاظت کی امید کیسے رکھ سکتے ہیں۔

---

(۱) معارف القرآن: ۷/۲۴۳

(۲۴) غصہ کے وقت کی دعا

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں دو آدمیوں کے درمیان کچھ سخت کلامی ہوگئی، یہاں تک کہ ان میں سے ایک کے چہرے پر غصہ کے آثار محسوس ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ایک دعائیہ کلمہ جانتا ہوں اگر یہ آدمی اس وقت وہ کہہ لے تو اُس کا غصہ ٹھنڈا پڑ جائے گا، وہ کلمہ یہ ہے:

أَعُوْذُ باللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. (۱)

A,OOZU,BILLAHI,MINASSHAITAANI,RRAJEEM.

تشریح و پیغامِ نبوی

غصہ انسان کی ایک نفسیاتی کیفیت ہے جو کہ اندرونی کشمکش اور انتقامی کارروائی کے نتیجے میں ظاہر ہوتی ہے، غصہ کی وجہ سے آدمی اپنے دماغ اور جذبات پر قابو کھو بیٹھتا ہے اور سخت غصے میں ایک نیم جنونی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور انسان انتہائی اوچھی حرکتوں پر اتر آتا ہے، گالی گلوج، مار پیٹ کی نوبت تک آجاتی ہے اور بعض دفعہ وہ کسی کو قتل بھی کر دیتا ہے؛ اِسی لیے غصہ پر قابو پانے کا وصف ایک قیمتی جوہر سمجھا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ کامل الایمان شخص غصہ کرتا بھی ہے تو مناسب موقع پر، وہ اچھی طرح سمجھتا ہے کہ کس کو نظر انداز کرنا ہے، کس کو معاف کرنا ہے اور کسے نہیں، ایک حقیقی مومن کا غصہ بھی اللہ ہی کے لیے ہوتا ہے؛ چناں چہ وہ غصہ کی حالت میں اپنی اخلاقی یا ایمانی ذمہ داریاں یاد رکھتا ہے؛ لیکن دنیا میں بہت سارے بندگانِ خدا ایسے ہیں جو اِس وصفِ کمال سے

عاری ہیں، انھیں بات بات پر غصہ آتا ہے اور وہ اُس حالت میں ساری حدیں پار کر جاتے ہیں؛ اِس لیے شریعت نے اِس کا حل اور علاج بتایا ہے اور یقیناً سب سے کامیاب اور بہتر علاج وہی ہوسکتا جس کی طرف اِسلام رہنمائی کرتا ہے اور ایسا اِس وجہ سے ہے کہ شیطان کو انسانی جھگڑوں سے خاصی دلچسپی ہے، جہاں جھگڑے کا کوئی موقع پیش آتا ہے شیاطین اس کو اپنی شکارگاہ بنا لیتے ہیں

(۱) ترمذی، رقم: ۳۴۵۲

اور بڑے سے بڑے بُردبار، باوقار آدمی کو غصہ دلا کر حدود سے نکال دینے کی کوشش کرتے ہیں، ارشادِ باری ہے: وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ. (۱) (اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجیے؛ بلا شبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے) یہ بات انسانی طبیعت کے لیے سب سے زیادہ شاق ہے کہ وہ ظلم کرنے والوں اور جہالت سے پیش آنے والوں کی خطا سے درگزر کرے؛ خصوصاً ایسے مواقع میں شیطان اچھے بھلے انسان کو بھی غصہ دلا کر لڑنے جھگڑنے پر آمادہ کر ہی دیتا ہے، اِس لیے مذکورہ آیت میں یہ تلقین کی گئی کہ ایسے صبر آزما مواقع میں غصہ کے جذبات زیادہ مشتعل ہوتے نظر آئیں تو سمجھ لو کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگ لو، تب مکارمِ اخلاق کی تکمیل ہوسکے گی، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اِس فلسفہ کو کون سمجھ سکتا ہے؛ پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مواقع میں أعوذ بالله من الشيطان الرجيم پڑھنے کا حکم دیا جو نہایت آسان جملہ ہے اور ہر مسلمان کو یاد ہے، الغرض شریعت یہ چاہتی ہے کہ انسان غصہ کے تقاضوں پر عمل نہ کرے، غصہ آنا غلط نہیں ہے؛ بلکہ یہ ایک فطری چیز ہے، ہاں غصہ کی وجہ سے ساری حدیں پار کر جانا صحیح نہیں ہے۔

فائدہ: لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ غصہ کی بحرانی کیفیت میں جب آدمی سنجیدگی اور توازن اور اچھائی برائی کا احساس کھو بیٹھتا ہے تو بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے کہ یہ باتیں اُسے یاد آئیں، ایسے وقت میں خیرخواہوں کو چاہیے کہ وہ حکمت سے اس کو اِس طرف متوجہ کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زریں ہدایت یاد دلائیں۔

غصہ کو قابو کرنے کے چند اور نسخے

غصہ کی برائی کوئی معمولی برائی نہیں ہے، جب کوئی مرض بڑا اور خطرناک ہوتا ہے تو اس کا

علاج بھی بڑے پیمانہ پر ہوتا ہے؛ اِسی لیے سرکارِ دوعالم نے اس کے متعدد علاج بتائے ہیں اور محدثین نے ان علاج کے روشنی مزید دوسرے علاج کی نشاں دہی کی ہے، وہ ذیل میں لکھے جاتے ہیں:

۱- غصہ کے وقت حالت کی تبدیلی، غصہ کو ہلکا کر دیتی ہے؛ چناں چہ روایت میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کو سخت غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، اگر

(۱) الاعراف، ۷: ۲۰۰

غصہ ختم ہو جائے تو اچھا ہے ورنہ لیٹ جائے۔(۱)

۲- دوسری روایت میں ہے: غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور شیطان کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کو پانی سے ہی بجھایا جاتا ہے؛ پس جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اس کو چاہیے کہ وضو کر لے۔(۲)

۳- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تمھیں غصہ آئے تو خاموش ہو جاؤ۔(۳)

۴- حضرت تھانویؒ کے افادات میں ہے:

جس کو غصہ زیادہ آتا ہو ایک کاغذ پر یہ عبارت لکھ کر کسی ایسی جگہ چسپاں کر دے کہ اس پر ضرور نظر پڑتی ہو "خدا تعالیٰ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت ہے کہ جتنی تجھ کو اس پر ہے"

غصہ جب ہی آتا ہے کہ جب دوسرے کو اپنے سامنے کمزور پاتا ہے اور دوسرا زبردست ہوتا ہے تو غصہ نہیں آتا، غصہ کی حالت میں اِس عبارت کو دیکھ کر ایک قادر قوی ذات کا اِستحضار ہوگا یعنی حق تعالیٰ کی عظمت اور جبروت ذہن میں گذرے گی بس پھر غصہ کا نام کہاں (۴)

۵- علماء نے غصہ کا ایک علاج یہ بتایا ہے کہ اس جگہ سے علحدہ ہو جائے، ظاہر ہے کہ جب دوسری جگہ چلا جائے گا تو نہ وہ شخص موجود ہوگا جس پر غصہ آیا، نہ وہ اسباب وہاں موجود ہوں گے جو غصہ کا باعث ہوئے تھے، غصہ خود ہی ٹھنڈا ہو جائے گا۔

۶- غصہ کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ اپنے اوپر مالی جرمانہ مقرر کرے یا ایک دو وقت کا فاقہ کرے، غصہ کے تعلق سے مفصل بحث کے لیے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے افادات بنام "غصہ کا وبال اور اس کا علاج" ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔

(۱) جب آدمی کھڑا ہوتا ہے تو زمین سے اس کے جسم کو بُعد (دوری) ہوتا ہے اور بیٹھنے میں زمین سے قرب ہو جاتا ہے اور لیٹنے میں اس

سے بھی زیادہ زمین سے مل جاتا ہے اور زمین کی طبیعت میں حق تعالیٰ نے انکسار رکھا ہے وہ انکسار آدمی پر اثر کر جاتا ہے اور انکسار تکبر اور غضب کی ضد ہے تو گویا علاج بالضد ہوا اور یہی اصل الاصول علاج کا ہے اور فطری طور پر بھی یہ علاج واقعی علاج ہے (غصہ کا وبال اور اس کا علاج ص: ۴۸) (ابوداؤد، رقم: ۴۷۸۲)

(۲) دیکھیے غصہ کے وقت حرارت ہی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں، چہرہ کیسا سرخ ہو جاتا ہے، ہاتھ پیر کانپنے لگتے ہیں، یہ سب نار (آگ) کے ہی فعل ہیں اور چوں کہ یہ صرف آگ کا اثر نہیں ہے؛ بلکہ شیطان کا اثر ہے جو آگ سے مخلوق ہے اور شیطان کی تمام شیطنت کا خلاصہ کبر ہے؛ اس لیے وضو کا حکم دیا گیا جو آگ کا بھی مقابل ہے اور کبر کا بھی مقابل ہے، اعضا دھونے سے حرارت ختم ہوئی اور چوں کہ وضو یک عبادت بھی ہے اس کے شامل ہونے سے پانی کی روحانی تاثیر مزید بڑھ گئی (ماخوذ از: غصہ کا وبال اور اس کا علاج ص: ۴۴)

(ابوداؤد، رقم: ۴۷۸۴) (۳) الادب المفرد، رقم: ۱۳۲۰ (۴) غصہ کا وبال اور اس کا علاج ص: ۶۱

(۲۵) خوشی اور غم کے وقت کی دعا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کوئی ایسی بات دیکھتے جس سے آپ کو مسرت اور خوشی ہوتی تو کہتے:

الحمدُ للهِ الذي بنِعْمَتِه تَتِمُّ الصالحاتُ

AL'HAMDULILLAHI,LLAZEE,BINIYAMATIHI,
TATIMMU,SSALIHAT

ترجمہ: حمد وستائش اُس اللہ کے لیے جس کے فضل واحسان سے اچھائیاں تکمیل پاتی ہیں۔

اور جب کوئی ایسی بات دیکھتے جو آپ ﷺ کو ناپسند اور ناگوار ہوتی تو کہتے:

(۲۶) الحمدُ للهِ على كُلِّ حَالٍ

AL'HAMDULILLAH,ALAA,KULLI,HAAL

ترجمہ: ہر حال میں اللہ کی حمد اور اُس کا شکر۔(۱)

تشریح

خوشی اورغم زندگی کی وہ کیفیات ہیں جو ہر انسان پر یکے بعد دیگرے طاری ہوتی رہتی ہیں، کوئی بھی انسان نہ تو ہمیشہ خوش رہتا ہے اور نہ ہی ہمیشہ غم گین اور اُداس، جس طرح دن اور رات کا سلسلہ ازل سے جاری ہے اور تا ابد قائم رہے گا، اُسی طرح جب تک یہ زندگی ہے ہر ذی حیات انسانوں کو کسی نہ کسی صورت خوشی اور غم کی کیفیات سے واسطہ بھی رہے گا۔

خوشی اورغم کا تعلق نفسیاتی حالات سے ہے، ہمیں جو چیزیں اچھی لگتی ہیں اور ہم اُسے پسند

(۱) کنز العمال، رقم: ۵۰۲۷ رواہ ابن النجار

کرتے ہیں آپ اُسے خوشی کہہ سکتے ہیں، اس کے بالمقابل جن چیزوں سے ہم نفرت کرتے ہیں یا وہ چیز ہمارے نقصان کا سبب ہوتی ہے، آپ اُسے غم کہہ سکتے ہیں، سازگار حالات اور نامناسب احوال خوشی اورغم کی مختصر ترین تعبیریں ہیں، بہر حال اِن حالات میں اِسلام توازن اور اعتدال کا حکم دیتا ہے، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سیرت اور اپنے عمل سے امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ خوشی ومسرت اور اداسی وغمی کی حالت میں ایک انسان بہر صورت اپنے رب کو یاد کرے، خوشی میں مست ہوکر اپنے رب کو بھول جانا یا غم واداسی سے نڈھال ہوکر اپنے فرضِ منصبی سے منہ پھیر لینا اسلامی تعلیمات نہیں ہے؛ پس جب بھی انسان کو خوشی ومسرت کے مواقع ہم دست ہوں تو اسے **الحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات** پڑھنا چاہیے اور ناموافق حالات دیکھ کر **الحمد لله علی کل حال** پڑھنا چاہیے۔

حکمت اور پیغامِ نبوی

۱- یہ خوشی اورغم حقیقت میں انسان کی آزمائش کا ذریعہ ہیں، اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتے ہیں کہ انسان دونوں طرح کی آزمائشوں سے کس طرح کامیابی سے گذرتا ہے اور ثابت قدم رہتا ہے، ناموافق حالات میں عموماً لوگ اپنے رب کو یاد کرتے ہیں؛ لیکن خوشی کے لمحات میں اپنے رب کی عنایتوں کو بھول جاتے ہیں، مذکورہ دعا میں یہ تعلیم ہے کہ خوشی پانے کے بعد اُس خوشی کو اللہ کی جانب منسوب کرنا چاہیے اور اس کے لیے الحمد للہ سے بہتر اور کوئی کلمہ نہیں ہوسکتا اور اگر ہمارا

کچھ نقصان ہوگیا تو اُس موقع پر بھی ہمیں یہی تعلیم ہے کہ ہم اللہ کے فیصلہ اور تقدیر پر تہہ دل سے راضی رہیں اور اُس کی تعریف کریں، اِس سے صبر کا حوصلہ ملتا ہے، صبر وشکر کی حالت اور عادت انسان کو اللہ کے محبوب بندوں میں شمار کے قابل بنادیتی ہے، جس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ ''سکونِ قلب'' کی دولت عطا فرماتے ہیں، اور سکونِ قلب ہی اصل خوشی ہے اور ایسی خوشی ہے جس کے پیچھے غم اور اداسی کا سایہ نہیں ہوتا۔

۲- خوشی کے مواقع میں الحمدللہ کہنا انسان کے اندر شکر کے جذبات پیدا کرتا ہے اور یہی سچی اور روحانی خوشی ہے، اِس کا اثر دیرپا ہوتا ہے اور یہی شکر، خدا کا حق ہے اور ناموافق حالات میں بھی شکرِ الٰہی کی عادت پڑ جاتی ہے اور انسان **الحمد لله علی کل حال** پڑھ کر درحقیقت اپنے دل ودماغ سے یہ کہتا ہے کہ یہ جان وزندگی، یہ نعمتیں اور یہ ضروریاتِ زندگی اللہ ہی کی دی ہوئی ہیں اور اُن پر اللہ کا حق ہے، حالات کی تبدیلی میں ہمارا کچھ عمل دخل نہیں ہے، اور جب انسان اِس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے جو اصل پناہ گاہ ہے اور جس کی بندگی اصل مقصدِ حیات ہے، مذکورہ دعا میں یہی پیغام ہے۔

۳- اِس دعا کی وجہ سے بندگانِ خدا اور باغیانِ خدا میں فرق ہوتا ہے، تکلیف اور غم کے موقع پر کافر تقدیر کا گلہ کرتا ہے؛ لیکن مسلمان ایسا نہیں کرتا، وہ ہر حال میں شکرِ الٰہی بجالاتا ہے۔

(۲۷) (۲۸) (۲۹) چھینک آنے کے بعد کی دعا

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اُس کو چاہیے کہ کہے:

الحمدُ للّٰہِ (اللہ کی حمد اور اُس کا شکر)

اور جو بھائی اس کے پاس ہوں انھیں جواب میں کہنا چاہیے:

یَرْحَمُکَ اللّٰہُ (تم پر اللہ کی رحمت ہو)

YARHAMUKALL'AH

اور جب وہ یہ دعا پڑھیں تو چھینکنے والے کو چاہیے کہ وہ جواب الجواب کے طور پر کہے:

یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ ویُصْلِحُ بَالَکُم (۱) (اللہ تم کو صحیح راہ پر چلائے اور تمھارا حال درست فرمائے)

YAHDEEKUMULLAHU,WA,YUSLIHU,BAALAKUM

تشریح وحکمت اور پیغامِ نبوی

دینِ اسلام کی خوبی یہ ہے کہ اُس نے انسان کو ہر چھوٹے بڑے ادب سے آراستہ کیا ہے اور اُس نے انسانی ضروریات میں سے ہر ضرورت سے متعلق بہترین رہنمائی فرمائی ہے، چھینک آنا ایک طبعی تقاضا ہے، اَطِبّاء کا کہنا ہے: چھینک ایک اعصابی ردعمل ہے جس پر ہمیں کچھ زیادہ اختیار

نہیں، چھینک کا سبب ناک کی جھلی میں پیدا ہونے والی وہ خراش ہوتی ہے جو دماغ کو حرکت دیتی ہے، جس کے نتیجہ میں عصبی عضلاتی اِرتعاشوں کا ایک سلسلہ شروع ہوجاتا ہے جسے ہم چھینکنا کہتے ہیں، اس عمل کی ترتیب یہ ہوتی ہے: ناک میں خراش پیدا ہوتی ہے، یہ احساس دماغ تک پہنچتا ہے اور دماغ ناک کو نم دار مادہ پیدا کرنے کا حکم دیتا ہے، ناک دوبارہ دماغ کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے، اِس کے بعد دماغ آپ کو سانس اندر لینے کو کہتا ہے اور پھر ایک دھماکہ کے ساتھ یہ سانس خارج کرتا

(۱) صحیح بخاری، رقم: ۶۲۲۴

ہے، بہر حال چھینک ایک فطری تقاضا ہے؛ لیکن سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس موقع کے لیے بھی دعا تلقین فرمائی ہے اور اِس کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بڑھانے کا ذریعہ بنا دیا۔

جب کسی کو چھینک آئے تو چھینکنے کے بعد اُسے "الحمد للہ" کہنا چاہیے، اِس معمولی کام پر الحمد للہ کہنے کی تعلیم کیوں دی گئی ہے؟

۱- چوں کہ چھینک اللہ کی نعمت، صحت وتندرستی کی علامت اور چستی اور نشاط کا سبب ہے؛ اِس لیے چھینک آنے پر الحمد للہ کے ذریعہ اللہ کا شکر ادا کرنے کو مستقل عبادت قرار دیا گیا۔

۲- حضرت آدم علیہ السلام کو جب پیدا کیا گیا اور اُن کے سر میں روح داخل ہوئی تو انھیں چھینک آئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان سے الحمد للہ کو جاری فرما کر ساری انسانیت کے لیے ایک ادب قرار دیا، اِسلام نے بھی اِس کو ادب؛ بلکہ مستقل سنت قرار دیا، اور حمد کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ چھینکنے والا ملتِ اِنبیاء کا تابع دار اور اُن کی سنتوں پر عمل کرنے کا پختہ عزم رکھتا ہے۔

۳- حکماء کہتے ہیں: چھینک آنے کی وجہ سے ایسی رطوبت اور ایسے بخارات دماغ سے نکل جاتے ہیں جو اگر نہ نکلیں تو کسی تکلیف یا بیماری کا سبب بن جائیں، ماہرین کے مطابق چھینکنے سے انسان کے جسم میں موجود بیکٹیریا اور وائرس ناک کے ذریعہ سے باہر آجاتے ہیں اور اس طرح جسم جراثیم سے نجات حاصل کرلیتا ہے؛ اِس لیے صحت واعتدال کی حالت میں چھینک آنا مفید ہے اور بیماری سے بچاؤ کا ایک ذریعہ؛ چنانچہ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ایک مومن بندے کے

لیے لازم ہے۔(۱)

۴- جب چھینک آتی ہے تو عموماً تھوڑی دیر کے لیے انسان کا حلیہ بگڑ جاتا ہے، چہرے کی خوب صورتی متاثر ہوتی ہے، چھینک کے بعد ہمارا حلیہ اور ہمارا چہرہ پہلے جیسا ہو جاتا ہے اس پر ہمیں خدا کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا گیا؛ کیوں کہ ہو سکتا تھا کہ چھینک کے وقت ہمارے بگڑے ہوئے چہرے کو ویسے ہی باقی رکھ دیا جاتا، اللہ ہر چیز پر قادر ہے؛ لیکن اللہ نے ہمارا چہرہ سب سابق

(۱) زاد المعاد ۲/ ۴۰۰

لوٹا دیا، پس الحمد للہ۔

۵- چھینک کے دوران ہمارے سینے میں موجود ہوا، منہ اور ناک سے باہر آجاتی ہے؛ جب کہ اِس دوران ہماری سانس کچھ وقت کے لیے رک جاتی ہے، چھینک کے بعد دوبارہ بحال ہو جاتی ہے، اِس سانس کی بحالی کے شکریہ کے طور پر مسلمان کو الحمد للہ کہنے کا حکم دیا گیا۔

یرحمک اللہ

سننے والوں کو اس کے جواب میں "**یرحمک اللّٰہ**" کہنے کی تعلیم ہے، یہ جواب دینا بعض فقہاء کے نزدیک فرض ہے؛ جب کہ جمہور فقہاء کے نزدیک فرض کفایہ ہے، اگر مجلس سے کوئی ایک جواب دے دے تو بھی کافی ہے(۱) اور یہ جواب دینا چوں کہ حقوق العباد میں سے ہے؛ لہٰذا اگر قصداً **یرحمک اللّٰہ** نہ کہا جائے تو انسان گنہ گار ہوگا، یہ چھینکنے والے کے حق میں دعائے خیر ہوگی، اور یہ چھینک پر الحمد للہ کہنے والے کا حق ہے؛ کیوں کہ اُس نے اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپنایا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی تحمید (الحمد للہ کہنا) کے جواب میں **یرحمک اللّٰہ** فرمایا تھا، نیز تحمید کرنے والے کی دین پر اور سننِ انبیاء پر استقامت کا یہ حق ہے کہ اُس کو یہ دعا دی جائے، اِس وجہ سے جواب دینے کو حقوقِ اسلام میں شمار کیا گیا ہے۔(۲) اور جب الحمد للہ کے جواب میں سننے والے نے "**یرحمک اللہ**" کہا تو اب چھینکنے والے کو چاہیے کہ وہ "**یھدیکم اللہ ویصلح بالکم**" کہے، یہ **یرحمک اللہ** کہنے والے کے حق میں دعائے خیر ہوگی، نیکی کا

بدلہ نیکی ہونا چاہیے۔

ان احکام کے ذریعہ یہ پیغام دیا جارہا ہے کہ معمولی اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے کو دعا دینے کی عادت ڈالنی چاہیے، غور فرمائیں چھینک ایک مرتبہ آئی؛ لیکن اس کی وجہ سے تین مرتبہ اللہ کا ذکر ہوگیا اور تین دعائیں ہوگئیں، اِس نبوی تعلیم نے اس ایک چھوٹے سے عمل کو کتنا بابرکت اور باعثِ اجر وثواب بنادیا کہ چھینک آنے کے بعد ایک شخص الحمد للہ کہتا ہے تو دوسرا اُس کے لیے رحمت کے نزول کی دعا کرتا ہے کہ چھینک کی وجہ سے تمھیں صحت وعافیت اور چستی ونشاط

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۲۹۸۶/۷ (۲) تحفۃ الالمعی: ۵۱۱/۶

حاصل ہوگیا، یہ تو دنیاوی نعمت ہے جس پر تم نے اللہ کا شکر ادا کیا، اللہ تمھیں اخروی نعمتوں سے بھی نوازے اور اُخروی نعمتوں میں "رحمت" سرفہرست ہے پس وہ **یرحمک اللہ** کہتا ہے، جواباً چھینکنے والا اُس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اُس کے لیے ہدایت اور اصلاحِ احوال کی دعا کرتا ہے جس میں دنیا اور آخرت دونوں کی دعا ہے، یوں دعا ہی دعا میں ایک دوسرے کے لیے محبت اور الفت کے جو چشمے پھوٹتے ہیں ان کی وجہ سے اہلِ مجلس آپس میں سراپا محبت واخوت بن جاتے ہیں اور اِسلام یہی چاہتا ہے کہ آپس میں محبت کی فضا برقرار رہے۔

لمحۂ فکریہ

مفتی تقی عثمانی زید مجدہ فرماتے ہیں:

> ایک زمانہ وہ تھا کہ جب یہ بات مسلمانوں کے شعائر میں داخل تھی؛ اِس کو سکھانے اور بتانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی اور اُس وقت اِس بات کا تصور بھی نہیں تھا کہ اگر کسی مسلمان کو چھینک آئے گی تو وہ "الحمد للہ" نہیں کہے گا، بچپن سے تربیت ایسی کی جاتی تھی کہ اُس کے خلاف ہوتا ہی نہیں تھا؛ لیکن اب یہ چیز مٹتی جارہی ہے تو اِس کے ساتھ ساتھ یہ سنت بھی مردہ ہوتی جارہی ہے اِس سنت کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے؛ اِس لیے چھینک آئے تو فوراً کہو: الحمد للہ۔(۱)

راقم الحروف عرض گزار ہے کہ الحمد للہ کہنے کا کسی حد تک رواج باقی ہے؛ لیکن الحمد للہ کے جواب میں **یرحمک اللہ** اور پھر **یھدیکم اللہ** کہنے کا رواج بالکل ختم ہوگیا ہے، علماء اور طلبہ کے علاوہ عوام اور نوجوانوں کا بہت بڑا طبقہ اِس مسنون عمل سے غافل ہے، اللہ ہم سب کو عقل سلیم عطا فرمائے اور اِس متروک ہونے والے مسنون عمل کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے۔

چھینک - چند آداب واحکام

۱- چھینکتے وقت آواز پست رکھنا چاہیے اور اپنے چہرے کو کپڑے سے ڈھانک لینا

(۱) اسلام اور ہماری زندگی: ۱۶۵/۷

چاہیے۔(۱)

۲- چھینکنے والا الحمد للہ کہنا بھول جائے تو اسے یاد دلانا مستحب ہے۔(۲)

۳- اگر کسی کو نماز میں چھینک آئے تو خاموش رہے؛ تاہم اگر الحمد للہ کہہ دے تو نماز فاسد نہیں ہوگی؛ لیکن کسی مصلی کی چھینک کے جواب میں **یرحمک اللہ** کہہ دے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔(۳)

۴- قضائے حاجت کے دوران کسی کو چھینک آ جائے تو خاموش رہے اور دوسرے کی چھینک کا جواب بھی نہ دے۔

۵- دورانِ تلاوت چھینک آ جائے تو الحمد للہ کہنا ضروری نہیں ہے۔(۴)

۶- **یرحمک اللہ** کے ذریعہ جواب دینا اُس وقت ضروری ہے جب چھینکنے والے نے الحمد للہ کہا ہو، ورنہ جواب نہ دے۔(۵)

۷- اگر چھینکنے والا زکام زدہ ہو تو اُس کو تین چھینک تک جواب دیا جا سکتا ہے، اُس کے آگے جواب دینا ضروری نہیں ہے۔(۶)

۸- کھانے کے دوران چھینک آ جائے اور لقمہ منہ میں نہ ہو تو الحمد للہ کہہ سکتے ہیں۔(۷)

۹- قصداً خوب تیز آواز سے چھینکنا مکروہ اور خلافِ تہذیب ہے۔

۱۰- اگر غیر محرم جوان لڑکی یا عورت نے چھینکنے کے بعد الحمد للہ کہا تو مرد کو جواب نہیں دینا

چاہیے۔(۸)

(۱) فتح الباری:۱۰/۶۰۷ (۲) حوالہ سابق
(۳) الدر المختار:۱/۶۲۰
(۴) جامع الفتاویٰ:۱/۳۹۴
(۵) شرح النووی:۱۸/۱۲۱
(۶) ابوداؤد، رقم:۵۰۳۴
(۷) احسن الفتاویٰ:۹/۴۹
(۸) شامی:۹/۵۳۰، زکریا دیوبند

(۳۰) کسی مجلس سے اٹھنے کے وقت کی دعا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چند مختصر سے کلمے ہیں اگر کوئی بندہ کسی مجلس سے اٹھتے وقت اخلاص سے کہہ لے تو وہ اس مجلس کی ساری لغزشوں کا کفارہ ہو جائیں گے اور اگر یہی کلمے کسی مجلسِ خیر یا مجلس ذکر کے خاتمے پر کہے جائیں تو اس مجلس کی روئداد کے نوشتہ پر ان کلموں کی مہر لگادی جائے گی، جس طرح اہم کاغذات اور دستاویزوں پر مہر لگادی جاتی ہے، وہ کلمے یہ ہیں:

سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وبِحَمْدِکَ لا إلٰه إلا أنتَ أستغفرکَ وأتُوبُ إلَیکَ. (۱)

SUB,HAANAKA,ALLAHUMMA,WA,BIHAM,DIKA,LAA,
ILAAHA,ILLAA,ANTA,ASTAGHFIRUKA,WA,ATOOBU,ILAIKA,

ترجمہ: اے اللہ! آپ کی ذات پاک ہے، اور آپ خوبیوں کے ساتھ متصف ہیں، آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، میں آپ سے گناہوں کی معافی طلب کرتا ہوں اور آپ کے حضور میں توبہ کرتا ہو۔

تشریح: انسان کا مجلسوں، میٹنگوں، نشست و برخاست اور باہم مشورے کی جگہوں میں اٹھنا

بیٹھنا روز مرہ کے معمولات میں سے ہے، مجلس میں مختلف طبیعت اور مزاج کے لوگ ہوتے ہیں، ایک مومن کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ مجلس میں بھی گناہ کی باتیں کریں؛ بلکہ بے فائدہ گفتگو بھی شانِ ایمان کے خلاف ہے، دورِ حاضر کی اکثر اجتماعی جگہیں شور وغل، شکوہ شکایت، بے سرو پا قصے، ہنسی مذاق اور بے فائدہ دنیاوی گفتگو کا مرکز ہوگئی ہیں، اِلا ماشاءاللہ، اِس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ جب مجلس سے اٹھو تو اللہ کی حمد وتسبیح، شہادت اور توبہ واستغفار کا کلمہ پڑھ لینا چاہیے، یہ مجلس کی بے احتیاطیوں اور کوتاہیوں کا کفارہ ہو جائے گا، اور ہم نیک جذبات سے سرشار ہو کر نیک اعمال کی جانب راغب ہوں گے، ورنہ یہ لغو باتیں، نیک اعمال اور نیک جذبات واحساسات کی

(۱) ابوداؤد، رقم: ۴۸۵۷

توفیق سے محرومی کا ذریعہ ہو جائیں گی۔

حکمت اور پیغامِ نبوی

۱- مجلس چوں کہ جامع متفرقات ہوتی ہے، اس میں جائز وناجائز بھی قسم کی باتیں ہوتی رہتی ہیں؛ اِس لیے پہلے اِس امر کا اِقرار کیا کہ عیوب اور نقائص سے پاک تو صرف اللہ تعالی کی ذات ہے، پھر اپنی کوتاہیوں کا اقرار کرتے ہوئے صدق دل کے ساتھ اس سے بذریعہ اس دعا کے معافی مانگی گئی ہے؛ تاکہ مجلس وبال ثابت نہ ہو، ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ **لا إلـه إلا الله** درحقیقت اُلوہیت میں توحید کا اقرار ہے اور **استغفرک وأتوب إليه** عُبودِیت میں کوتاہی کا اعتراف ہے، ہر مسلمان سے یہی امور اجمالی طور سے مطلوب ہیں، اقرارِ اُلوہیت اور تقصیر عُبودِیت کا احساس ہی انسان کو دونوں عالم میں ترقیات کے مراتب تک پہنچاتا ہے، ہمارے واسطے اِس دعا میں یہی پیغام ہے، یہی دعوت اور اپیل ہے۔(۱)

۲- مولانا منظور نعمانی نور اللہ مرقدہ رقم طراز ہیں:

......اللہ کے بعض مقبول بندوں کو دیکھا کہ ہر تھوڑی دیر کے بعد اور خاص کر ہر سلسلۂ کلام کے ختم پر دل کی ایسی گہرائی سے جو اس وقت ان کے چہرے پر اور ان کی آواز میں بھی محسوس کی جاتی تھی، یہی کلمے کہتے تھے

جس سے سننے والوں کے دل بھی متاثر ہوتے تھے۔

بلا شبہ یہ کلمہ اپنی معنویت اور خاص ترتیب کے لحاظ سے ایسا ہی ہے کہ جب اخلاص کے ساتھ بندہ اللہ کے حضور میں یہ عرض کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت اس کی طرف ضرور بالضرور متوجہ ہوگی، یہ کلمہ بھی رسول اللہ ﷺ کے عطا فرمائے ہوئے خاص تحفوں میں سے ہے، اللہ تعالیٰ اس کی قدر اور استفادہ کی توفیق دے۔

۳- مذکورہ دعا کے ذریعہ قرآن کریم کی ایک اہم آیت کے مضمون کی تعمیل بھی مقصود ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ حِیْنَ تَقُوم. (۲) اے پیغمبر: اٹھتے وقت

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۴/۱۶۸۹-چالیس دعائیں، ص: ۴۷ (۲) الطور ۵۲: ۴۸

اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیا کیجیے، اِس آیت میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید میں لگ جانے کا حکم ہے، یہ اصل مقصدِ زندگی بھی ہے اور ہر مصیبت سے بچنے کا اصلی علاج بھی ہے، (حِیْنَ تَقُوم) اٹھنے سے مراد سوکر اٹھنا بھی ہوسکتا ہے اور کسی مجلس سے اٹھنا بھی مراد ہوسکتا ہے، مذکورہ دعا پڑھتے وقت قرآن کے اِس حکم کی بجا آوری کا استحضار واحساس، یقیناً ہمارے لیے عنایاتِ الٰہی کے دروازے کھولے گا، ہم سرخ رو ہوں گے۔

(حِیْنَ تَقُوم) قال سعید بن جبیرؒ وعطاءؒ أي قل حین تقوم من مجلسک سبحانک اللّٰھم وبحمدک. (۱)

۴- دعا کے پہلے حصہ میں تسبیح اور تحمید دونوں جمع ہیں، تسبیح کے معنی ہیں جملہ عیوب ونقائص اور ہر گندگی سے اللہ کی پاکی بیان کرنا اور تحمید کے معنی ہیں: تعریف کرنا یعنی تمام خوبیوں اور ہر صفتِ کاملہ کے ساتھ اللہ کو متصف کرنا، دعا کے اِس حصے میں یہی پیغام ہے کہ انسان کو تسبیح وتحمید کی عادت ڈالنی چاہیے، اخلاص کے ساتھ یہ کلمات ادا کیے جائیں تو انسان کا دل نیازمندی اور عاجزی سے لبالب ہوجاتا ہے اور اسے دارین کی سعادتوں سے مالا مال کردیا جاتا ہے، اور شرور وفتن سے اس کی حفاظت کی جاتی ہے؛ پس اِسی تصور سے یہ کلمات ادا کرنا ہماری دنیوی واخروی کامیابی کا ضامن ہے، مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہ لکھتے ہیں:

جب کسی جملے میں تسبیح وتحمید دونوں جمع ہو جاتے ہیں تو وہ انسان کی معرفتِ ربانی کی بہترین تعبیر ہوتے ہیں؛ کیوں کہ انسان اللہ تعالیٰ کو اسی طرح پہچان سکتا ہے کہ وہ ایک ایسی ذات کا تصور کرے جو تمام عیوب ونقائص سے — جو مخلوقات میں پائے جاتے ہیں — پاک ہو اور جو ان تمام خوبیوں کے ساتھ — جو مخلوقات میں خوبیاں تصور کی جاتی ہیں — متصف ہو۔(۲)

اور دعا کا دوسرا ٹکڑا (لا إلــه إلا أنــت) ہے، اِس جملہ میں توحید اور شانِ یکتائی کا بیان ہے اور یہی اِس جملہ کا ظاہری پہلو ہے اور اس جملہ کا باطنی پہلو متعدد ہیں: دونوں پہلوؤں کا پیشِ نظر

---

(۱) التفسیر المظہری: ۹/۱۰۱ (۲) رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۴/۳۰۳

رکھنا ایمان واحسان میں اضافہ کا سبب ہوگا، مفتی صاحب لکھتے ہیں:

(الف) یہ جملہ شرکِ جلی کو دفع کرتا ہے۔

(ب) یہ جملہ شرکِ خفی (عبادات میں ریاء وسمعہ) کو دفع کرتا ہے، جو شخص صرف اللہ کی معبودیت کا قائل ہے، وہ عبادت میں ریاء کو راہ نہیں دے سکتا۔

(ج) یہ جملہ ان حجابات کو دفع کرتا ہے جو اللہ کی معرفت کی راہ میں حائل ہیں۔(۱)

اور دعا کے آخری حصہ میں توبہ واستغفار کی تعلیم ہے جس کی تفصیل ماقبل میں بھی آئی ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بقول: استغفار کی حقیقت اور اس کی روح یہ ہے کہ آدمی اپنے ان گناہوں کو سوچے جنھوں نے اس کے نفس کو گھیر رکھا ہے یعنی اس کو میلا اور گندہ کر رکھا ہے، اور اسبابِ مغفرت اختیار کر کے نفس کو ان گناہوں سے پاک کرے(۲) اب اگر انسان ہر مجلس کے بعد اِس استحضار کے ساتھ توبہ واستغفار کی روش اختیار کرے گا تو نیکیوں کی توفیق ملے گی، اسے ملکوتی فیض نصیب ہوگا اور وہ فرشتہ صفت بن جائے گا، کوتاہی اور جرم کے احساس کے ساتھ توبہ واستغفار کی وجہ

سے اللہ تعالیٰ نظر کرم فرماتے ہیں؛ اِسی لیے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے استغفار کیا کرتے تھے۔

لمحۂ فکریہ

مذکورہ تفصیلات وتشریحات کو بار بار پڑھنا چاہیے اور اخلاص واستحضار کے ساتھ اختتامِ مجلس پر مذکورہ دعا پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے، مناسب یہ ہے کہ شرکاءِ مجلس میں سے کوئی شخص ہلکی بلند آواز سے یہ دعا پڑھ دے؛ تاکہ تمام شرکاء کو اِس دعا کے اہتمام کی توفیق ہوجائے، کفارۃ المجلس کی اِس دعا سے غفلت عام ہے، ایک حد تک لوگ فضائل کی تعلیم کے بعد اِس دعا کا اہتمام کرتے ہیں؛ مگر وہ حضرات بھی اپنی دیگر مجالس میں اِس دعا اور ذکر کا اہتمام نہیں کرتے، عوام اور خواص دونوں میں اِس تعلق سے بیداری پیدا کرنے کی ضرورت ہے، خدا ہمت وحوصلہ عطا فرمائے۔

---

(۱) رحمۃ اللہ الواسعہ: ۳۰۸/۴ (۲) رحمۃ اللہ الواسعہ: ۳۳۶/۴

(۳۱) (۳۲) زینہ پر چڑھنے اور اترنے کی دعا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ جب اوپر کو چڑھتے تھے تو تکبیر کہتے یعنی

اللهُ أكبرُ (اللہ سب سے بڑا ہے)

اور جب نیچے اترتے تھے تو یہ کہتے:

سُبْحَانَ اللهِ (۱) (اللہ تعالیٰ پاک اور بے عیب ہے)

تشریح

انسانی زندگی میں بلندی وپستی، عروج وزوال اور زیروزبر والے مراحل بہ کثرت پیش آتے ہیں اور یہ بلندی وپستی اور عروج وزوال جیسے معنوی ہوتے ہیں ویسے ہی یہ ظاہری بھی ہوتے ہیں، انسان کا علم، مال اور عزت وشہرت میں ترقی کرلینا معنوی بلندی ہے وہ زمین پر ہوتے ہوئے بھی علم ومال وغیرہ کی بلندی پر ہوتا ہے اور انسان کا کسی اونچی جگہ پر چڑھنا ظاہری بلندی ہے، علم ودولت کو گنوا دینا معنوی پستی ہے؛ جب کہ اوپر سے نیچے اتر جانا ظاہری پستی ہے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ جو کہ عزت، کامیابی، شرافت اور عنداللہ مقبولیت ومحبوبیت اور اسوۂ حسنہ کی

چوٹی پر تھے جب وہ ظاہری بلندی مثلاً پہاڑ پر چڑھتے تھے تو اُس وقت اللہ اکبر کے ذریعہ اللہ کی بڑائی وکبریائی کا اعلان کرتے تھے اور جب پہاڑوں سے نیچے اترتے تھے تو اللہ کی پاکی بیان کرتے ہوئے سبحان اللہ کہا کرتے تھے۔

موجودہ دور میں ہر گھر، آفس اور بلڈنگوں میں نیچے سے اوپر جانے کے لیے زینے اور سیڑھیاں ہوتی ہیں، بڑے شاپنگ مال، ایرپورٹ، ریلوے اسٹیشن، ہسپتال اور فلک بوس عمارتوں میں زینے کے ساتھ لفٹ لگی ہوتی ہیں اور روزانہ ہزاروں لوگ نیچے سے اوپر اور اوپر سے نیچے آتے ہیں، ایسے موقع پر سرکارِ دو عالم ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ جب لوگ زینے اور لفٹ سے اوپر جائیں تو گپ شپ اور لہو ولعب میں وقت ضائع کرنے کے بجائے اللہ کا ذکر کرتے رہیں اور جب نیچے اتریں تو اُس وقت بھی زبان ذکرِ الٰہی سے تر رہے، آج روزانہ گھروں میں زینے کا استعمال ہوتا ہے؛

---

(۱) بخاری، رقم: ۲۹۹۳

لیکن مذکورہ دعائیں نہ یاد رہتی ہیں اور نہ ہی پڑھنے کی توفیق ہوتی ہے، لوگ گھومنے کے لیے مختلف پہاڑی جگہوں کا انتخاب کرتے ہیں، پہاڑوں پر پیدل یا گاڑیوں سے چڑھتے اور اترتے ہیں؛ لیکن مذکورہ دعا نہیں پڑھتے، دین بیزاری کے اِس دور میں زینہ، لفٹ وغیرہ سے اترتے اور چڑھتے وقت مذکورہ دعا پڑھنا نہایت ضروری امر ہے، اللہ ہمیں اِس کی توفیق دے، ہم اپنے بچوں اور بچیوں کو بھی اس کی تعلیم دیں۔

حکمت اور پیغامِ نبوی

۱- جیسے انسان کو معنوی عروج اور بلندی پسند ہے ویسے ہی ظاہری بلندی، عروج، اِستعلاء اور اِرتقاع محبوب ہے، جب انسان نیچے سے اوپر جا رہا ہوتا ہے تو ہوسکتا ہے اُس کے دل میں اپنی بلندی کا خیال آئے اور اُسے لگے کہ میں بڑا شخص ہوں، بلند اور بڑی جگہ میں ہوں؛ پس شریعت نے علاج کے طور پر اس کو حکم دیا کہ ایسے موقع پر اپنی ظاہری بلندی کا خیال کیے بغیر اپنے رب کی حقیقی بلندی، بڑائی اور کبریائی کا اعلان کرے اور اللہ اکبر کہتا رہے، اور انسان جب اوپر سے نیچے اترتا ہے تو گویا کشادگی سے تنگی کی جانب بڑھ رہا ہے، بلندی سے پستی کی جانب آرہا ہے، اِس موقع پر اُسے تعلیم دی گئی کہ وہ اللہ کی تسبیح بیان کرے اور یہ تصور کرے کہ میرا رب اِس طرح کی پستیوں اور تنگیوں سے پاک ہے؛ بلکہ وہ ہر طرح کے عیوب سے مُنَزّہ ہے اور اِس مفہوم کے لیے

سبحان اللہ سب سے جامع تعبیر ہے، پس سبحان اللہ کہتا ہوا اترے۔(۱)

۲- بلندی ایک نعمت ہے، پس جو شخص بلندی کی جانب بڑھ رہا ہے اُسے چاہیے کہ اِس نعمت پر اپنے رب کا شکریہ ادا کرے اور ادائے شکر کے لیے اِس موقع پر اللہ اکبر بہت مناسب ہے، اِس کی وجہ سے اُس پر اللہ کے فضل وکرم میں اضافہ ہوگا اور ظاہری بلندی کے ساتھ معنوی بلندی بھی نصیب ہوگی اور اترتے وقت سبحان اللہ پڑھے؛ کیوں کہ اللہ کی تسبیح کشادگی کی کلید ہے؛ چناں چہ حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کے قصہ میں ہے: فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ . لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ. (۲) یعنی اگر وہ (اس وقت) تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو وہ قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں پڑے رہتے، یعنی حضرت یونسؑ کا لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ کے ذریعہ اللہ کی تسبیح بیان کرنا مچھلی کے پیٹ سے رہائی کا ذریعہ بنا، پس ہم بھی اوپر سے نیچے اترتے وقت اِسی نیت سے سبحان اللہ پڑھیں گے تو غم کی گھٹائیں چھٹ جائیں گی۔(۳)

(۱) فتح الباری:۱۱/۱۸۸ (۲) الصافات،۳۷:۱۴۳-۱۴۴ (۳) ابن بطال:۵/۱۵۳

(۳۴) مریض کی عیادت کے وقت کی دعا

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو مسلمان بندہ کسی ایسے بیمار کی بیمار پُرسی کرے جس کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا ہے تو وہ سات مرتبہ (یہ دعا پڑھے) وہ مریض صحت یاب ہو جائے گا۔

أَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِيمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ أَنْ يَّشْفِيَكَ. (۱)

AS,ALULLAHAL,AZEEM,RABBAL,ARSHIL, AZEEM,ANYYASHFIYAK

ترجمہ: میں عظیم المرتبت اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں، جو بڑے عرش کے مالک ہیں کہ وہ آپ کو شفا بخشیں۔

تشریح، حکمت اور پیغامِ نبوی

صحت وتندرستی بڑی نعمت ہے، اگر انسان صحت مند ہو تو وہ نعمتوں سے بھرپور لطف اٹھاتا

ہے اور اگر وہ بیمار ہو جائے تو اب چاہے لاکھوں نعمتوں کا مالک ہو مگر وہ اُس کے حق میں نہ ہونے کے برابر ہے، دنیا کے دیگر مذاہب بیماری کو صرف آفت ومصیبت گردانتے ہیں جب کہ مذہبِ اسلام بیماری کو ایک نعمت قرار دیتا ہے اور دنیا والوں کو یہ پیغام دیتا ہے کہ بیماریوں کو مصیبت اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور قہر کا ظہور ہی نہ سمجھا جائے؛ بلکہ اُن بیماریوں میں خیر اور رحمت کا بڑا سامان ہے، ان کے ذریعہ گناہوں کی صفائی ہو جاتی ہے، اللہ کی خاص عنایات اور بلند درجات کا استحقاق حاصل ہوتا ہے، اعمال کی کمی کی کسر پوری ہوتی ہے اور ان کے ذریعہ سعادت مند بندوں کی تربیت ہوتی ہے، اسلام نے جہاں ایک طرف بیمار کے فضائل بیان کر کے اُسے تسلی دی ہے، وہیں دوسری طرف بیمار کی عیادت اور مزاج پرسی کی اہمیت وفضیلت پر بھی روشنی ڈالی ہے، عیادت کی ترغیب وتحریض دلائی ہے اور مریض کی عیادت اور اس کی خدمت و ہمدردی کو اونچے درجہ کا نیک عمل اور ایک طرح کی مقبول ترین عبادت بتلایا ہے؛ پس مریض کی عیادت کرنا صرف منت ہی نہیں؛ بلکہ اُس کا حق ہے جسے ہم مسلمانوں کو بہ حسن وخوبی ادا کرنا چاہیے، آج عیادتِ مریض کے تعلق سے معاشرہ میں بہت کمی پیدا ہو چکی ہے، محلے اور پڑوس میں کون بیمار ہے اس کی خبر لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی اور اگر کسی نے عیادت کا ارادہ کیا بھی تو صرف ایک فون کال یا ایک ایس ایم ایس کے ذریعہ یہ فریضہ ادا کر لیا جاتا ہے اور بنفسِ نفیس مزاج پرسی اور تیمار داری کے لیے جانا دشوار ہوتا جا رہا ہے، ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کل قیامت کے دن فرمائیں گے، اے ابنِ آدم! میں بیمار ہوا؛ مگر تم نے میری عیادت نہیں کی، بندہ عرض کرے گا میں آپ کی عیادت کیسے کرتا؟ آپ تو رب العالمین ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، کیا تجھے معلوم نہ تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا پھر بھی تو نے اس کی عیادت نہیں کی، کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو اُس کی عیادت کرتا تو مجھے اُس کے پاس پاتا(۱) بہر حال عیادتِ مریض کے سلسلے میں بکثرت روایات ہیں اُن سب کا خلاصہ یہی ہے کہ محلے اور پڑوس میں کوئی بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت اور تیمارداری نہ صرف ضروری ہے؛ بلکہ یہ اُس مریض کا حق ہے؛ پس ہمیں ادائے حق کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا چاہیے۔

اوپر جو حدیث لکھی گئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب عیادت کے لیے جائیں تو وہاں

---

(۱) ترمذی، رقم: ۲۰۸۳

صرف گپ شپ اور دنیاوی گفتگو میں مشغول نہ رہیں؛ بلکہ اُس کے لیے دعاءِ صحت و شفاء کی جائے، اِس سے مریض کو تسلی بھی ہوگی اور اللہ تعالیٰ اسے شفاء بھی دیں گے؛ کیوں کہ مذکورہ روایت میں ہے کہ اگر سات مرتبہ أَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِيمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ أَنْ يَّشْفِيَكَ پڑھ کر مریض پر دَم کر دیا جائے یا ویسے ہی پڑھ کر دعا کر دی جائے تو وہ مریض صحت یاب ہو جائے گا، اور اگر اُسی مرض میں موت لکھی ہے تو وہ مریض موت کی سختیوں سے محفوظ رہے گا یعنی اگر اُس مرض میں موت مقدر نہیں ہے تو اِس دعا کی برکت وتاثیر سے مریض کو ظاہری شفا نصیب ہوتی ہے اور اگر موت مقدر تھی تو باطنی شفا نصیب ہوتی ہے اور وہ قلبِ سلیم کے ساتھ اللہ سے ملاقات کرتا ہے۔(۲)

اِس تعلیمِ نبوی میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اِس طرح عیادت کرنے اور دعائے صحت کرنے کی وجہ سے آپسی الفت و محبت کی جڑیں مضبوط ہوں گی، اسلامی معاشرے کی تشکیل ہوگی اور ایک دوسرے کے حقوقِ اسلام کی ادائیگی ہوگی، اِس دعا کے ذریعہ اسلام ہم سے یہی چاہتا ہے، کیا ہم بھی یہی چاہتے ہیں؟

(۱) مسلم، رقم: ۴۵۵۴ (۲) مرقاۃ المفاتیح: ۳/۱۱۳۵

دوا میں دعا کی تاثیر

بیمار اور اُس کے لواحقین بیماری کے وقت تحصیلِ صحت کے لیے جائز وناجائز: وہ کون سا پہلو نظر انداز کر دیتے ہیں جس سے بظاہر اس کی صحت وابستہ ہوتی ہے؛ لیکن توحید پرست کو اِس موقع پر یہی سکھلایا گیا ہے کہ شفا صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، دواؤں میں اثر ڈالنا بھی اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

دوا اُس سے، شفا اُس سے، نہ شافی دوسرا پایا
حکیموں کے بھی نسخوں پر "هُوَ الشَّافِي" لکھا پایا(۱)

آیئے اخلاص ومحبت کے ساتھ اِس پیغامِ محبت کو عام کریں اور مذکورہ طریقۂ عیادت کے ذریعہ اپنی عیادت کو عبادت بنائیں، اللہ ہمیں اس کی توفیق دے۔

الفاظِ دعا کی معنویت

مذکورہ دعا کے الفاظ نہایت جامع ہیں اور موقع کے مناسب ہیں، مذکورہ دعا میں اللہ سے

دعائے صحت کی درخواست کی گئی ہے اور ساتھ میں "**العظیم**" کا اضافہ ہے، **العظیم** صیغہ صفت ہے بمعنی عظمت وجلال یعنی ایسی ذات جس کی قدر ومنزلت اور عظمت وجلال کا اِدراک نہیں کیا جاسکتا، اُس کی حقیقت کا اِحاطہ انسانی عقلوں کے لیے ناممکن ہو، اُس کے بعد "رب" کا انتخاب نہایت موزوں ہے پھر "**العرش العظیم**" کا اضافہ ہے جس کا مطلب ہے: زمین وآسمان کی سلطنت اور عرشِ عظیم (تختِ شہنشاہی) کے مالک سے دعائے صحت کی درخواست ہے، سب نفع وضرر، ہدایت وضلالت اور مرض وصحت اس کے ہاتھ میں ہے، اب درخواست کا خلاصہ یہ ہوا کہ اے اللہ تو عظیم ہے اور سب سے بڑی مخلوق عرش کا بھی مالک ہے تو ہمارا مُربی اور مُصلح ہے، جب تو عرشِ عظیم پر قادر ہے تو اپنے بندے کی بیماری کو دور کرنے پر بدرجۂ اَولی قادر ہے، بیماری کا عرش سے کیا مقابلہ؟ پس اے اللہ اِس بیمار بندے کو صحت عطا فرمائیے، اگر اِس تصور کے ساتھ دعا کی جائے تو یقیناً قبول ہوگی جیسا کہ روایت میں صحت وشفا کا وعدہ کیا گیا ہے۔

اور سات مرتبہ پڑھنے کی قید کیوں ہے؟ اِس کی وجہ ہمیں صحیح طور سے معلوم نہیں؛ تاہم ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے: ممکن ہے اِس سے ان سات اعضاء (پیشانی ناک سمیت، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے، دونوں پاؤں کی انگلیاں) کی جانب اشارہ ہو، جن پر سجدہ کیا جاتا ہے **لعله إشارة إلى السبعة الأعضاء**.(۲)

(۱) چالیس دعائیں، ص: ۳۳ (۲) مرقاۃ: ۱۱۳۵/۳

(۳۴) نکاح کرنے والے کو کیا دعا دی جائے؟

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ شادی کرنے والے آدمی کو ان الفاظ کے ساتھ دعا اور مبارک باد دیا کرتے تھے۔

بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ وَبَارَکَ عَلَیْکُمَا وَجَمَعَ بَیْنَکُمَا فِيْ خَیْرٍ. (۱)

BAARAKALLAHU,LAKA,WA,BAARAKA,ALAIKUMAA,
WA,JAMA,A'BAINAKUMAA,FEE,KHAIR.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمھارے لیے مبارک کرے اور تم دونوں پر برکتیں نازل کرے اور تم دونوں (میاں بیوی) کو خیر اور بھلائی پر جوڑے رکھے۔

تشریح: نکاح اور شادی سے ایک خاندان وجود میں آتا ہے، یہ انسانی زندگی کے لوازم میں سے ہے، اور شادی کے موقع پر انسان اپنے اَعزّاء واَقرِباء، دوست واحباب اور جان پہچان کے لوگوں کو مدعو کرتا ہے، اپنی خوشی میں سب کو شامل کرتا ہے؛ چوں کہ شادی کے بعد ایک نیا خاندان وجود میں آتا ہے، ایک نئی زندگی شروع ہوتی ہے اس لیے اِس نازک موقع پر لوگ دولہا اور دلہن کو دعاؤں اور نیک تمناؤں سے نوازتے ہیں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شادی شدہ شخص کو اِس موقع پر کس دعا کی زیادہ ضرورت ہے، اُسے سنت کے مطابق کیا دعا دینی چاہیے، ملنے والے عموماً ''شادی مبارک ہو'' کے ذریعہ اپنی تمناؤں اور نیک احساسات کا اظہار کرتے ہیں، کچھ لوگ کہتے ہیں: ''اللہ اِس رشتہ کو قبول فرمائے'' یہ سب دعائیں اپنی جگہ درست ہیں؛ لیکن اِن جملوں میں ''سنتِ نبوی'' کی تاثیر موجود نہیں ہے، پس ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اِس موقع پر مبارک بادی کے لیے وہی جملے استعمال کرے جو سرکارِ دوعالم ﷺ استعمال فرمایا کرتے تھے؛ اور سرکارِ دوعالم ﷺ اِس موقع پر **بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ وبَارَکَ علیکما وجَمَعَ بَیْنَکُمَا فِيْ خَیْرٍ** کے ذریعہ مبارک بادی اور دعا دیا کرتے تھے؛ پس ہمیں بھی انھیں کی اقتداء کرنی چاہیے؛ کیوں کہ لائقِ اقتداء وہی ذات ہے اور اسی

(۱) ترمذی، رقم: ۱۰۹۱- مرقاۃ المفاتیح: ۴/ ۱۶۹۶

کی اقتداء میں ہماری کامیابی ہے۔

حکمت اور پیغامِ نبوی

مذکورہ دعا تین جملوں پر مشتمل ہے:

۱- **بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ:** اس جملے میں خاص طور سے دولہا کے لیے خیر و برکت کی دعا کی گئی ہے؛ کیوں کہ شادی کے بعد اخراجات بڑھیں گے، نان نفقہ اور گھر مکان کی ضرورت پڑے گی اور یہ چیز ایسی ہے کہ اگر خیر و برکت شاملِ حال نہ ہو تو انسان پریشانی کا شکار ہوسکتا ہے، بعض لوگ نکاح کرنے میں اِس لیے پس وپیش کرتے ہیں کہ وہ سوچتے ہیں کہ نکاح ہوجانے کے بعد

بیوی بچوں کا بار کیسے اٹھے گا، اِس دعا کے ذریعہ گویا شادی کرنے والے کو تسلی دی جارہی ہے کہ روزی روٹی کا مسئلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، ہم تمھارے رزق اور گھر بار میں برکت کی دعا کرتے ہیں، برکت کا مفہوم بہت وسیع ہے، کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کیے بغیر ضروریاتِ زندگی کا فراہم ہوجانا برکت کہلاتا ہے، غور فرمائیں کتنی جامع اور پیاری دعا ہے؛ لیکن ہمیں اِس مفہوم کا استحضار ہی نہیں ہوتا، برکت کی تشریح پیچھے بھی آچکی ہے۔

۲- وبَارَکَ علیکما (اللہ تم پر برکتیں نازل کرے) ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: اِس جملے میں خیر، رحمت، رزق اور آل اولاد میں برکت کے نزول کی دعا کی گئی ہے گویا پہلی دعا کو موکّد کیا گیا ہے۔

۳- وجَمَعَ بَیْنَکُمَا فِيْ خَیْرٍ (اللہ زوجین کو خیر وبھلائی پر جوڑے رکھے) یہ دعا نہایت اہم اور برموقع ہے، شادی کی وجہ سے دو جسموں کا ملَن ہوتا ہے، انفرادی زندگی کے بعد اب اجتماعی زندگی کا آغاز ہوتا ہے، اب لڑکے کو ایک لڑکی کے ساتھ اپنی پوری زندگی گذارنی ہے، دونوں ایک دوسرے کے ہم راز ہوں گے؛ پس دونوں کے دلوں کا ملنا، ذہن ودماغ کا متفق ہونا بہت ضروری ہے؛ چناں چہ اِس جملے میں یہ دعا کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ زوجین کو طاعت، صحت، عافیت، سلامتی، حسنِ معاشرت اور نیک صالح اولاد کے ذریعہ جوڑے رکھے اور ان سب کے لیے ایک جامع لفظ ''خیر'' استعمال کیا گیا جس میں ہر طرح کی بھلائی کا مفہوم پایا جاتا ہے، دعا دینے والے کی یہ دعا اگر قبول ہوجائے تو یہ شادی دنیا میں ہی ''بہشتی احساس'' کا ذریعہ ہوگی اور شادی خانہ آبادی کا مصداق ہوگی، موجودہ دور کے تناظر میں جہاں شادی کے بعد اندرونِ خانہ لڑائی جھگڑے، طلاق وخلع اور گالی گلوج کی کثرت ہے، مذکورہ دعا کی اہمیت دوچند ہوجاتی ہے۔

ملا علی قاریؒ نے مزید لکھا ہے:

اولاً صرف دولہا کے لیے دعا کی گئی ہے؛ کیوں کہ وہی مطلوب ہے اور اُسے ہی مبارک باد پیش کرنی ہے، ثانیاً دعا میں دولہا اور دلہن دونوں کو شامل کر کے اللہ سے یہ درخواست کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں کو نیک صالح اولاد کے ذریعہ برکت عطا فرمائیں؛ کیوں کہ توالد وتناسل شادی کا

ایک اہم مقصد ہے۔

اور اخیر میں حسنِ معاشرت، ذہنی ہم آہنگی اور خواہشاتِ نفس کی جائز تکمیل کی دعا کی گئی ہے کہ دنیا اور آخرت کی ہر چیز اور بھلائی کے معاملہ میں تم دونوں کے درمیان باہم اتفاق اور تعاون رہے اور شیطان کوئی فتنہ انگیزی نہ کر سکے اور اِس دعا کو موخّر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ ''توالد وتناسل'' نکاح کا اصل مقصد ہے، حسنِ معاشرت اور اِستمتاع اس کے تابع ہیں، افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ موجودہ دور میں خواہشاتِ نفس کی تکمیل کو مقصودِ نکاح بنالیا گیا ہے اور توالد وتناسل کو ثانوی درجہ دے دیا گیا ہے۔(۱)

لمحۂ فکریہ

آج شادیوں میں گلے ملنے، ہاتھ ملانے اور مبارک بادی کا سلسلہ بڑا دراز ہوتا ہے؛ لیکن ملاقات کے وقت مذکورہ دعا نہیں پڑھی جاتی ہے، ہماری اخلاقی اور شرعی ذمہ داری ہے کہ ہم مبارک بادی کے موقع پر مذکورہ دعا پڑھیں اور سمجھ کر پڑھیں، یقین مانیے ہماری یہ دعا، شادی شدہ شخص کے حق میں قیمتی تحفہ اور شاندار اور اعلیٰ گفٹ سے زیادہ اہمیت کی حامل ہوگی، کاش ہم اسے سمجھتے، اللہ ہمیں عقلِ سلیم عطا فرمائے۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۴/ ۱۶۹۶

(۳۵) نیا چاند دیکھنے کی دعا

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نیا چاند دیکھتے تو اِس طرح دعا کرتے۔

اَللّٰهُمَّ أَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ، رَبِّيْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ.(۱)

ALLAHUMMA,AHILLAHU,ALAINAA,BIL,AMNI,WAL,EEMAAN,

WASSALAAMATI,WAL,ISLAAM,RABBEE,WA,RABBUKALLAH

ترجمہ: اے اللہ! یہ چاند ہمارے لیے امن و ایمان اور سلامتی و اسلام کا چاند ہو، اے چاند! تیرا رب اور میرا رب اللہ ہے۔

تشریح: چاند ایک قدرتی جنتری ہے جو آسمان پر نمودار ہو کر دنیا بھر کے لوگوں کو بیک وقت ان کی تاریخوں کا حساب بتاتی رہتی ہے، اسلام میں رویتِ ہلال کی بڑی اہمیت ہے، اسلام نے ایک عالم گیر دین ہونے کی حیثیت سے اپنے احکام کی بنیاد ایسے امور پر رکھی ہے جو سب کے لیے آسان ہیں اور جن پر عمل کرنا سب کے لیے ممکن ہے، اسی طرح برسوں کی گنتی، لوگوں کے معاملات اور عبادات مثلاً قرض، اجارہ، عدت، مدتِ حمل ورضاعت، روزہ، زکات اور حج کے اوقات ہر ایک کو بے تکلف معلوم ہو جاتے ہیں؛ اسی لیے شریعت نے ہر مہینے کے نئے چاند کو دیکھنا ضروری قرار دیا ہے؛ بالخصوص شعبان، رمضان، شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے چاند دیکھنا واجب کفایہ ہے؛ کیوں کہ ان مہینوں سے اسلام کی اہم عبادتیں متعلق ہیں، اور سب سے بڑی بات یہ کہ اسلامی کیلنڈر اور ہجری کیلنڈر کی بنیاد چاند پر ہے، اس اہمیت کے پیش نظر چاند دیکھنا اور تاریخ معلوم کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے **صوموا لرویته و افطروا لرویته**. (۲) (چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ ترک کرو) کے ذریعہ رمضان اور عید میں چاند دیکھنا نہ صرف ضروری قرار دیا؛ بلکہ اس کی اہمیت کو خوب واضح کیا ہے، اور خود آپ اس کا اہتمام فرمایا کرتے تھے اور جب بھی نیا چاند دیکھتے تو ایک دعا پڑھتے تھے اور خیر و بھلائی اور امن و ایمان کی درخواست کرتے تھے؛

(۱) عمل الیوم لابن السنی، رقم: ۶۴۱ (۲) بخاری، رقم: ۱۹۰۹

پس ہمارے لیے بھی ضروری ہے کہ جب نیا چاند دیکھیں تو مذکورہ دعا کا اہتمام کریں، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جیسے چاند سے تاریکیاں ختم ہو جاتی ہیں ویسے ہی اس نبوی دعا کی روشنی سے ہمارے دلوں کی تاریکیاں دور ہو جائیں گی، اور نورِ الٰہی سے دل منور ہو جائیں گے۔

حکمت اور پیغامِ نبوی

۱- ہر مہینہ زندگی کا ایک مرحلہ ہے، جب ایک مہینہ ختم ہو کے دوسرے مہینہ کا چاند آسمان پر

نمودار ہوتا ہے تو گویا اعلان ہو جاتا ہے کہ ہر آدمی کی زندگی کا ایک مرحلہ پورا ہو کے آگے کا مرحلہ شروع ہو رہا ہے، ایسے موقع کے لیے مناسب ترین دعا یہی ہوسکتی ہے کہ اے اللہ! یہ شروع ہونے والا مرحلہ یعنی مہینہ بھی امن وامان اور ایمان واسلام کے ساتھ گذرے اور تیری فرمانبرداری نصیب رہے۔(۱)

۲- مذکورہ دعا میں دفعِ مضرت اور جلبِ منفعت کی درخواست ہے اور اِس کے لیے نہایت بلیغ اور جامع تعبیر اختیار کی گی ہے، امن وسلامتی سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر طرح کی مضرتوں اور نقصان سے محفوظ رکھیں، اور ایمان واسلام سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر طرح کی بھلائیاں اور فوائد وثمرات نصیب فرمائیں، موجودہ دور میں ہر انسان سکون وچین، امن وامان اور حفاظت وسلامتی کا خواہاں ہے؛ لیکن وہ میسر نہیں ہیں؛ مذکورہ دعا کے ذریعہ امن وسلامتی کا حصول یقینی ہے، اسلام کا تعلق انسان کے ظاہر سے ہے؛ جب کہ ایمان انسان کے دل میں ہوتا ہے، دنیا میں اسلام کا اعتبار ہوتا ہے؛ جب کہ آخرت میں ایمان کا اعتبار ہوگا، مذکورہ دعا میں دونوں کی درخواست ہے۔

۳- **رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ** دعا کے اِس آخری ٹکڑے میں چاند کو مخاطب بنا کر یہ کہا جا رہا ہے کہ تم یقیناً ایک محیّرُ العقول مخلوق ہو؛ لیکن تم معبود نہیں ہو؛ بلکہ ہمارا اور تمھارا رب اللہ ہے وہی ہمارا معبود ہے؛ چوں کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو چاند کو دیوتا مانتے ہیں؛ اِس لیے رسول اللہ ﷺ نے رویتِ ہلال کے وقت، اِس کی نفی فرمائی اور بندوں کی زبان سے یہ اقرار کرایا کہ چاند اللہ کی صرف ایک مخلوق ہے۔(۲)

۴- کچھ لوگ بعض مہینوں کو منحوس اور نامبارک سمجھتے ہیں، مذکورہ دعا کے ذریعہ ان سب باطل خیالات کی تردید کی گئی ہے، اور یہ بتایا گیا کہ ہر مہینہ خیر وبرکت کا مہینہ ہے، شرط یہ ہے کہ ہم

(۱) معارف الحدیث: ۱۶۳/۵ (۲) مرقاۃ المفاتیح: ۱۶۸۶/۴

اِس کی دعا بھی کریں۔

مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں:

> مسلمان کو اِس موقع پر یہ سبق ملا کہ وہ اِس کا اِقرار کرے کہ چاند کا طلوع وغروب کسی اور ہستی کے قبضۂ قدرت میں ہے(۱) اور سعادت ونحوست بھی چاند سے متعلق نہیں ہے؛ بلکہ چاند کو یہ خطاب کرتے ہوئے کہ میرا

اور تیرا رب اور پروردگار صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، اپنے عقیدہ کی پختگی کا اظہار کیا گیا ہے۔(۲)

۵- مذکورہ دعا میں یہ پیغام ہے کہ حالات کی تبدیلی اور اللہ کی بڑی نشانیوں کے ظہور کے وقت بندہ مومن کے لیے دعا کرنا مستحب ہے۔(۳)

لمحۂ فکریہ

ہر مہینے نیا چاند نکلتا ہے اور ہر سال نئے ہجری سال کی آمد ہوتی ہے، مگر مسلمانوں کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا؛ کیوں کہ ہم نے اپنی تہذیب، تمدن، معاشرت اور دینی عقائد واحکام کے ساتھ ہجری کیلنڈر اور اسلامی مہینوں کے اسماء کو بھی پسِ پشت ڈال دیا ہے اور ہجری اور قمری تاریخ کو فراموش کر کے عیسوی تاریخ کی پابندی کرنے لگے ہیں، اس کا منفی نتیجہ یہ نکلا کہ آج مسلمان نہ ہر مہینے کا نیا چاند دیکھتے ہیں اور نہ ہی دعا پڑھنے کی نوبت آتی ہے، عید کا چاند ہر بندۂ مومن دیکھنا چاہتا ہے اگر کسی نے دیکھ لیا تو تالی بجانے، شور وغل کرنے اور دوسروں کو اطلاع دینے کے علاوہ کوئی دینی کام نہیں ہوتا، اُس وقت مذکورہ دعا پڑھنا بھول جاتے ہیں؛ بلکہ اگر یہ لکھا اور کہا جائے کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جسے یہ دعا یاد نہیں ہے تو یہ بات مبنی برحقیقت ہوگی، مدارس کے علما اور طلبہ ہی یہ کفارہ ادا کررہے ہیں، ہم تمام مسلمانوں کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم مذکورہ دعا یاد کریں، اِس کے پیغام کو سمجھیں اور ہر مہینے نیا چاند دیکھ کر اپنے اور سارے مسلمانانِ عالم کے لیے امن وسلامتی اور اسلام وایمان کی دعا کریں، امن وسکون اور کامیابی وکامرانی کا راز تعلیماتِ اسلام میں ہی مضمر ہے، باقی سب دھوکہ ہے، اللہ ہمیں مبتلائے دھوکہ ہونے سے بچائے۔

---

(۱) یعنی اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے (۲) چالیس دعائیں ص:۳۰ (۳) مرقاۃ:۱۶۸۶/۴

(۳۶) اذان کے بعد کی دعا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی بندہ اذان سننے کے وقت اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرے گا تو وہ بندہ قیامت کے دن میری شفاعت کا حق دار ہوگا۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلَاۃِ الْقَائِمَۃِ آتِ محمدَنِ الوَسِیلَۃَ وَالفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَاماً مَحْمُودَنِ الَّذِي وَعَدْتَہٗ۔ (بخاری، رقم:۶۱۴)

ALLAHUMMA,RABBA,HAAZIHI,DDA'AWATI,TTAAMMAH, WASSALAATIL,QAA,IMAH,AATI,MUHAMMADANIL WASEELATA,WALFAZEELAH,WAB,AS'HU, MAQAAMAMMAHMODANILLAZEE,WA,ADTAH,

ترجمہ: اے اللہ! اِس کامل دعوت اور قائم ہونے والی نماز کے رب (یعنی اے وہ اللہ جس کے لیے اور جس کے حکم سے یہ اذان اور یہ نماز ہے) (اپنے رسول پاک) محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلہ کا خاص درجہ اور مرتبہ عطا فرما اور ان کو مقامِ محمود پر سرفراز فرما جس کا تو نے ان کے لیے وعدہ فرمایا ہے۔

تشریح

ایک مسلمان نے اپنی زندگی میں جو آواز بار بار اور بہ کثرت سنی ہے وہ اذان کی آواز ہے؛ کیوں کہ ہر دن یہ صدا پانچ بار ضرور بلند ہوتی ہے، اور رسول اللہ ﷺ جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اور نماز با جماعت ادا کرنے کے لیے مسجد بنائی گئی تو ضرورت محسوس ہوئی کہ جماعت کا وقت قریب ہونے کی عام اطلاع کے لیے اعلان کا کوئی خاص طریقہ اختیار کیا جائے، رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے اِس بارے میں مشورہ کیا اور مشورہ کے بعد ایک صحابی حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہؓ کے خواب اور حضور ﷺ پر اِس تعلق سے آنے والی وحی کی روشنی میں اذان کا یہ نظام قائم ہوا جو آج تک دینِ اسلام اور امت مسلمہ کا شعار ہے، اور اذان کے مستقل فضائل واحکام بیان کیے گئے، سرکارِ دو عالم ﷺ نے اذان سننے کے بعد ایک دعا تلقین کی ہے اور اُس پر اپنی شفاعت کا وعدہ کیا ہے، ہم تمام مسلمانوں کی شرعی ذمہ داری ہے کہ اذان کے بعد اُس دعا کا اہتمام کریں۔

الدعوۃ التامۃ

اذان دینِ اسلام کی مکمل دعوت ہے؛ کیوں کہ اذان میں سب سے پہلے اللہ کی بڑائی کا اعلان ہے پھر توحید ورسالت کی گواہی ہے جو اِسلام کے بنیادی عقائد ہیں، پھر اسلام کی سب سے

اہم عبادت نماز کی دعوت ہے پھر اُس کا فائدہ بیان کیا ہے، پھر اللہ کی بڑائی کا اور آخر میں اس کی یکتائی کا اعلان ہے، غرض اذان پورے دین کا خلاصہ اور نچوڑ ہے؛ اِس لیے اس کو "الدعوة التامة" مکمل دعوت کہا گیا ہے۔ (۱)

الصلاة القائمة

الصلاة القائمة سے مراد وہ نماز ہے جس کی طرف بلایا جا رہا ہے، ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ القائمة، الدائمة (ہمیشہ) کے معنی میں ہے، مطلب یہ ہے کہ ایسی نماز جو ہر شریعت میں موجود رہی، یعنی مکمل دعوت والا اور جو نماز قائم اور دائم رہنے والی ہے اُس کا مالک، گویا رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ والصَّلاةِ القَائِمَةِ کے ذریعہ یہی اعلان کیا جا رہا ہے کہ نماز موذن کے لیے نہیں پڑھنی ہے؛ بلکہ جو اذان و نماز کا مالک ہے اُس کے لیے پڑھنی ہے۔

حکمت اور پیغامِ نبوی

اِس اقرار و اعلان کے بعد مذکورہ دعا میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے لیے تین چیزوں کی دعا کا ذکر کیا گیا ہے: ایک وسیلہ، دوسرے فضیلہ، تیسرے مقامِ محمود، اِس کی تفصیل یہ ہے کہ وسیلہ: اللہ تعالیٰ کی مقبولیت و محبوبیت کا ایک خاص الخاص مقام اور مرتبہ ہے اور جنت کا ایک مخصوص درجہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے کسی ایک بندہ ہی کو ملنے والا ہے، ایک روایت میں ہے: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم اذان کے کلمات سنو تو ان کلمات کو دہراؤ پھر مجھ پر درود بھیجو؛ کیوں کہ جو کوئی مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے تو اللہ اُس پر دس بار رحمت بھیجتے ہیں، پھر تم اللہ سے میرے واسطے وسیلہ کی درخواست کرو؛ کیوں کہ وہ جنت کا ایک مخصوص درجہ ہے جو کسی ایک ہی بندے کو ملے گا اور مجھے

---

(۱) تحفۃ الالمعی: ۱/۳۴۲- مرقاۃ المفاتیح: ۲/۵۶۱

امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا۔ (۱)

اور فضیلہ: اُسی مقام و مرتبہ کا دوسرا نام ہے اور مقامِ محمود: وہ مقام عزت ہے جس پر فائز ہونے والا ہر ایک کی نگاہ میں محمود و محترم ہوگا اور سب اُس کے ثنا خواں اور شکر گذار ہوں گے اور جو احکم الحاکمین کی بارگاہ میں سب سے پہلے سارے انسانوں کے لیے حساب اور فیصلہ کی استدعا اور

شفاعت کرے گا، پھر گناہ گاروں کے لیے سفارش کا دروازہ بھی اُسی کے طفیل کھلے گا، بس یہی وہ مقامِ محمود ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا ہے **عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا.** (۲) امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود عطا فرمادے۔

الغرض وہ خاص الخاص مرتبہ اور درجہ جس کو حدیث میں وسیلہ اور فضیلہ کہا گیا ہے اور عزت و امتیاز اور محمودیتِ عامہ کا وہ مقامِ بلند جس کو قرآن مجید میں اور اِس حدیث میں مقامِ محمود کہا گیا ہے، یقیناً رسول اللہ ﷺ کی ہم امتیوں پر یہ نوازش ہے کہ زیرِ تشریح حدیث میں آپ نے ہم کو اِس کی ترغیب دی کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یہ درجے اور مقامات آپ کو عطا کیے جائیں اور بتلایا کہ جو کوئی میرے لیے یہ دعا کرے گا وہ قیامت کے دن میری شفاعت کا خاص طور سے مستحق ہوگا۔ (۳)

حکمت

۱- اذان کے بعد یہ دعا اِس لیے مقرر کی گئی ہے کہ وہ اعتراف و انقیاد کا پیکر ہے اور زبانی اقرار، مکنون جذبات کی ترجمانی کرتا ہے، آں حضور ﷺ نے انسانیت کو اللہ کے دین سے آشنا کر کے لوگوں پر احسانِ عظیم فرمایا ہے اور محسن سے محبت کرنا ایک فطری تقاضا ہے؛ پس جب مومن اذان سننے کے بعد آں حضرت ﷺ کے لیے وسیلہ، فضیلہ اور مقامِ محمود کی دعا کرے گا تو اِس سے آپ کے لائے ہوئے دین کو قبول کرنے کی اور دل میں آپ سے محبت کی حقیقت کامل طور پر متحقق ہوگی۔ (۴)

۲- اذان کے بعد مسجد کے ایک معمولی اجتماع سے جس میں ہر طرح کے لوگ شریک ہوتے ہیں، اُس حقیقی اجتماع کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو میدانِ حشر میں ہوگا۔ (۵)

---

(۱) ابوداود، رقم: ۵۲۳ (۲) الاسراء، ۱۷: ۷۹ (۳) معارف الحدیث بحذف و اضافۃ: ۳/ ۱۱۱

(۴) رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۳/ ۳۳۵ (۵) چالیس دعائیں، ص: ۲۵

اِس دعا سے غفلت - ایک بڑا خسارہ

آج کے پُرفتن اور دین بیزار ماحول میں مذکورہ دعا مسلمانوں کی زندگی سے غائب سی ہوگئی ہے، مذکورہ دعا کا پیغام یہ ہے کہ اُس نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو اپنے لیے وسیلہ، فضیلہ اور

مقامِ محمود کے حصول کی دعا کا حکم دیا ہے، جس نبی کی پوری زندگی اِس فکر میں گذری کہ میرا ایک ایک امتی دوزخ میں جانے سے بچ جائے، کیا ہم اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ دن رات میں پانچ مرتبہ اُس نبی ﷺ کے لیے دعا کریں، اگر نہیں کر سکتے تو یہ ہماری محبتِ نبوی میں کمی کی دلیل ہوگی اور پھر اِس دعا کا سب سے زیادہ فائدہ ہمیں ہی پہنچ رہا ہے کہ اِس دعا کے پڑھنے پر شفاعتِ نبوی کا وعدہ ہے، شفاعتِ نبوی کوئی معمولی چیز نہیں ہے، قیامت کا دن جب اللہ تعالیٰ کے جلال کے ظہور کا خاص دن ہوگا اور سارے انسان اپنے اعمال اور احوال کے باوجود اُس وقت دہشت زدہ اور پریشان ہوں گے، اُس دن کسی کو سرکارِ دوعالم ﷺ کی شفاعت نصیب ہو جائے، یہ سب سے بڑی کامیابی ہے؛ ورنہ اِس سے بڑا خسارہ کیا ہو سکتا ہے، آیئے اِس دعا کو یاد کریں، پڑھیں اور اپنے آپ کو شفاعتِ نبوی کا حق دار بنائیں، بڑے خوش نصیب ہیں مدارس کے اساتذہ اور طلبہ جنھیں اِس دعا کے اہتمام کی توفیق مل رہی ہے، اور بڑے نصیبہ ور ہیں وہ عوام جو دعوت وتبلیغ میں وقت لگا کر یہ دعا سیکھ اور پڑھ رہے ہیں، اللہ سب کو توفیق دے۔

اذان واقامت کے جواب کا اہتمام کیجیے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب موذن کہے(۱) اللہ اکبر اللہ اکبر اور اُس کے جواب میں تم میں سے کوئی کہے اللہ اکبر اللہ اکبر، پھر موذن کہے: **أشهد أن لا إله إلا الله** اور وہ جواب دینے والا بھی (اس کے جواب میں) کہے: **أشهد أن لا إله إلا الله** پھر موذن کہے: **أشهد أن محمدا رسول الله** اور جواب دینے والا بھی کہے **أشهد أن محمدا رسول الله** پھر موذن کہے: **حي على الصلاة** تو جواب دینے والا کہے: **لا حول ولا قوة إلا بالله**، پھر موذن کہے: **حي على الفلاح** اور جواب دینے والا کہے:

(۱) ابوداود کی ایک ضعیف روایت میں: قامت کا جواب بھی اذان کی طرح آیا ہے اور **قد قامت الصلاة** کے جواب میں آپ ﷺ کا **أقامها الله وأدامها** (اللہ نماز کو قائم ودائم رکھیں) کہنا مروی ہے؛ پس کوئی اس پر عمل کرنا چاہے اور اقامت کا بھی جواب دے تو دے سکتا ہے: کیوں کہ فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل ہوتا ہے: البتہ اذانِ خطبہ کا جواب زبان سے نہیں دینا چاہیے؛ کیوں کہ خطبہ جمعہ، درمیانِ صلاۃ شمار ہوتا ہے اور دورانِ نماز کچھ بولنا درست نہیں، ہاں دل میں جواب دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

لاحول ولا قوة إلا باللّٰه، پھر موذن کہے: **اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر** اور جواب دینے والا بھی کہے: **اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر** پھر موذن کہے: **لا إله إلا اللّٰه** اور جواب دینے والا بھی کہے: **لا إله إلا اللّٰه** اور یہ کہنا دل سے ہو تو وہ جنت میں جائے گا۔

تشریح

اذان کا جواب ایک معمولی سا عمل ہے، لیکن آج نوجوانانِ اسلام کی ایک بڑی تعداد اِس سے غافل ہے، اذان ہوتی رہتی ہے اور لوگ دنیاوی گفتگو میں مشغول رہتے ہیں، اور اب تو نوجوانوں کے کانوں میں ایرفون ہوتے ہیں، ان کے پاس اذان سننے کی فرصت ہی کہاں ہے، عورتیں گھروں میں گھریلو کام کاج میں مصروف ہوتی ہیں اور بوقتِ اذان اپنا سر ضرور ڈھانپ لیتی ہیں؛ لیکن اذان کا جواب دینا یاد نہیں رہتا، دینی تعلیم اور سنتِ نبوی سے اتنی غفلت یقیناً ہمارے اور ہماری قوم کے لیے خسارے کا سبب ہے؛ حالاں کہ مذکورہ عمل نہایت آسان ہے؛ لیکن اِس معمولی عمل پر داخلۂ جنت کی بشارت ہے، اللہ ہمیں اِس کی سمجھ عطا فرمائے۔ اِس معمولی سے عمل پر جنت کی بشارت کا راز کیا ہے؟ اذان واقامت کا پیغام کیا ہے اور یہ کیوں ضروری ہے؟ جوابات کے لیے کچھ تفصیل درج کی جاتی ہے۔

اذان کے جواب کی حکمت

اذان نماز کے لیے آنے کی لوگوں کو دعوت ہے، اِس بُلاوے پر مسجد پہنچنا اجابتِ فعلی ہے اور منہ سے اذان کا جواب دینا اجابتِ قولی (زبانی جواب دینا) ہے اور دونوں ہی مطلوب ہیں، اول کی تاکید زیادہ ہے؛ کیوں کہ اذان سے وہی اصل مقصود ہے اور ثانی سنت ہے، دونوں طرح سے جواب دینے کا الگ الگ حدیثوں میں حکم دیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اذان کی دو حیثیتیں ہیں، ایک: یہ کہ وہ جماعت میں آنے کا بُلاوا ہے، دوسرے: یہ کہ وہ ایمان کی دعوتِ عام ہے، پہلی حیثیت سے اذان سننے والے ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ اذان سنتے ہی نماز میں شرکت کے لیے تیار ہو جائے اور ایسے وقت مسجد میں پہنچ جائے کہ جماعت میں شریک ہو سکے اور دوسری حیثیت سے ہر مسلمان کو حکم ہے کہ جب وہ اذان سنے تو اپنے ایمان کی تجدید کرے اور اذان کے ہر

کلمہ کا جواب دے اور اپنے دل اور زبان سے ان باتوں کی تصدیق کرے، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

اذان دین کا شعار اور اُس کی امتیازی علامت ہے اور یہ شعار اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ پتہ چلے کہ قوم نے ہدایتِ الٰہی یعنی دین اسلام کی دعوت قبول کی یا نہیں؟ جو اذان سن کر نماز کے لیے آئے گا اُس نے دعوت قبول کی اور جس نے کان بہرے کر لیے اس کے کان پھوٹے، غرض اجابتِ قولی اُس تسلیم کو واضح کرتی ہے جس کا حصول لوگوں سے مطلوب ہے۔

حَیعَلَتَین کا جواب حَوقَلَه کیوں؟

اذان کے جواب میں وہی کلمات دہرائے جاتے ہیں جو موذن پکارتا ہے، مگر حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح کا جواب **لا حول ولا قوۃ الا باللہ** کے ذریعہ دیا جاتا ہے، ایسا کیوں؟

اذان کے شروع اور آخر میں جو ذکر ہے (یعنی تکبیرات اور لا الہ الا اللہ) جواب میں انھیں کو دہرانے کی حکمت تو ظاہر ہے کہ ذکر کے جواب میں ذکر ہی مناسب ہے اور شہادتین کے جواب میں شہادتین، اِس لیے دہرائی جاتی ہیں کہ تجدیدِ ایمان ہو جائے جو اُس خاص موقع پر مطلوب ہے اور حیعلتین کا جواب حوقلہ سے اِس لیے دیا جاتا ہے کہ حوقلہ میں توحید کا مضمون ہے، اِس میں طاقت و مقدرت اللہ کے لیے خاص کی گئی ہے یعنی ایک ہی خدا کے لیے حول و طاقت کو تسلیم کیا گیا ہے اور اِس خاص موقع پر یہ بات اس لیے یاد کی جاتی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عبادت پر اِقدام کرتے وقت واہمہ میں فخر چشمی لینے لگے اور شیطان اس کی راہ مار دے؛ پس اِس موقع پر اللہ کی قوت و طاقت کا تصور کرنا فخر و غرور کا علاج ہے، نماز کے لیے جانے والا یہ سوچ کر چلے کہ میں جو عبادت کرنے جارہا ہوں وہ مولیٰ کی توفیق ہی سے ہے، میرا اس میں کچھ کمال نہیں۔

فائدہ: فجر کی اذان میں جب موذن الصلاۃ خیر من النوم کہے تو اُس کے جواب میں صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ کہنا چاہیے یعنی تو نے سچ کہا کہ نماز نیند سے بہتر ہے اور تو نے نیکی کا کام کیا کہ مجھے آگاہ کیا، اِس سلسلے میں کوئی حدیث تو نظر سے نہیں گذری، مگر تصدیق کرنے کے لیے عربی میں

یہی جملہ استعمال کیا جاتا ہے مسند احمد: ۱/۴۰۵ میں اِس سلسلے کی روایت ہے، غالبًا اِس سے یہ جواب تجویز کیا گیا ہے۔

جوابِ اذان کی فضیلت کی وجہ

جو شخص اذان کا جواب اخلاص سے دے گا وہ جنت میں جائے گا، اِس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا جواب دینا فرمانبرداری اور اپنی ذات کو اللہ کے سپرد کرنے کا پیکر محسوس ہے، دخولِ جنت اُسی تسلیم و اِنقیاد کا صلہ ہے۔ (۱)

اذان واقامت میں دین کے بنیادی اصولوں کی تعلیم ودعوت

مولانا منظور نعمانیؒ نے بڑی قیمتی بات لکھی ہے، اذان واقامت کے اِس پیغام کو سمجھنا چاہیے اور دوسروں تک پہنچانا چاہیے، وہ لکھتے ہیں:

> دین کے سلسلے میں سب سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا مسئلہ ہے، اِس بارے میں اسلام کا جو نظریہ ہے اِس کے اعلان کے لیے اللہ اکبر اللہ اکبر سے بہتر اور اتنے جاندار الفاظ تلاش نہیں کیے جاسکتے، اِس کے بعد نمبر آتا ہے عقیدۂ توحید کا؛ بلکہ صفات کا مسئلہ اُسی سے صاف اور مکمل ہوتا ہے اِس کے لیے أشهد أن لا إله إلا الله جیسا جاندار اور موثر کوئی دوسرا مختصر کلمہ منتخب نہیں کیا جا سکتا، پھر اِس حقیقت کے واضح اور معلوم ہو جانے کے بعد کہ بس اللہ ہی ہمارا الٰہ ومعبود ہے، یہ سوال فوراً سامنے آجاتا ہے کہ اُس اللہ تک پہنچنے کا راستہ یعنی اِس سے بندگی کا صحیح رابطہ قائم کرنے کا طریقہ کہاں سے معلوم ہو سکے گا؟ اِس کے جواب

(۱) رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۳/۳۳۳ تا ۳۳۵

> کے لیے أشهد أن محمدا رسول الله سے بہتر کوئی کلمہ نہیں سوچا جا سکتا، اِس کے بعد حي على الصلاة کے ذریعہ اُس صلاۃ کی دعوت دی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت وبندگی اور اُس سے رابطہ قائم

کرنے کا سب سے اعلیٰ ذریعہ ہے اور اللہ کی طرف چلنے والے کا سب سے پہلا قدم بھی ہے، اِس کے بعد **حی علی الفلاح** کے ذریعہ اُس حقیقت کا اعلان کیا جاتا ہے کہ یہی راستہ فلاح یعنی نجات وکامیابی کی منزل تک پہنچانے والا ہے اور جو لوگ اس راستہ کو چھوڑ کر دوسری راہوں پر چلیں گے وہ فلاح سے محروم رہیں گے، گویا اِس میں عقیدہ آخرت کا اعلان ہے اور ایسے الفاظ کے ذریعہ اعلان ہے کہ ان سے صرف عقیدہ ہی کا علم نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ زندگی کا سب سے اہم اور قابل فکر مسئلہ بن کر ہمارے سامنے کھڑا ہوجاتا ہے، اور آخر میں اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الٰہ إلا اللہ کے ذریعہ پھر یہ اعلان اور پُکار ہے کہ انتہائی عظمت وکبریائی والا بس اللہ ہی ہے اور وہی بلاشرکتِ غیرے الٰہ برحق ہے؛ اِس لیے بس اُسی کی رضا اپنا مطلوب ومقصود بناؤ، بار بار غور کیجیے کہ اذان واقامت کے اِن چند کلمات میں دین کے بنیادی اصولوں کا کس قدر جامع اعلان ہے اور کتنی جاندار اور مؤثّر دعوت ہے؛ گویا ہماری ہر مسجد سے روزانہ پانچ وقت دین کی یہ بلیغ دعوت نشر کی جاتی ہے۔

ہم مسلمان اگر اتنا ہی کرلیں کہ اپنے ہر بچہ کو اذان یاد کرادیں اور کسی قدر تفصیل کے ساتھ اِس کا مطلب سمجھادیں؛ خصوصاً **أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه** اور **أشهد أن محمدا رسول اللّٰه** کا مطلب زمانہ اور ماحول کے مطابق سمجھادیں تو ان شاء اللہ وہ کبھی کسی غیر اسلامی دعوت کا شکار نہ ہوسکے گا۔(۱)

معارف الحدیث:۳/۱۰۳-۱۰۴

(۳۷) (۳۸) صبح وشام کے وقت کی دعائیں

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو تلقین فرماتے تھے کہ جب رات ختم ہوکر تمھاری صبح ہو تو اللہ کے حضور عرض کیا کرو۔

اللّٰھُمَّ بِکَ أَصْبَحْنَا وَبِکَ أَمْسَیْنَا وَبِکَ نَحْیَا وَبِکَ نَمُوْتُ وإِلَیْکَ الْمَصِیْرُ.

ALLAHUMMA,BIKA,AS'BAHNAA,WA,BIKA,AMSAINAA,WA,BIKA, NAHYAA,WA,BIKA,NAMOOTU,WA,ILAIKALMASEER

ترجمہ: اے اللہ! تیرے ہی حکم سے ہماری صبح ہوتی ہے اور تیرے ہی حکم سے ہماری شام، تیرے ہی فیصلہ سے ہم زندہ ہیں اور تیرے ہی حکم سے ہم وقت آجانے پر مریں گے اور پھر تیری ہی طرف لوٹ کر جائیں گے۔

اور اسی طرح جب شام ہو تو عرض کرو:

اللھمَّ بِکَ أمْسَیْنَا وَبِکَ أصْبَحْنَا وَبِکَ نَحْیا وَبِکَ نَمُوْتُ وإِلَیْکَ النُّشُوْرُ. (۱)

ALLAHUMMA,BIKA,AMSAINAA,WA,BIKA,AS'BAHNAA, WA,BIKA,NAHYAA,WA,BIKA,NAMOOTU,WA,ILAIKANNUSHOOR

ترجمہ: اے اللہ! تیرے ہی حکم سے ہماری شام ہوتی ہے اور تیرے ہی حکم سے ہماری صبح اور تیرے ہی فیصلہ سے ہم زندہ ہیں اور تیرے ہی فیصلہ سے مریں گے اور پھر اٹھ کر تیرے ہی حضور حاضر ہوں گے۔

تشریح: انسانی زندگی میں صبح وشام کے اوقات ولمحات کو بڑی اہمیت حاصل ہے، ہر شخص کے لیے رات کے بعد صبح اور دن ختم ہونے پر شام آتی ہے اور اسی آمد ورفت سے زندگی کی ایک ایک منزل طے ہوتی رہتی ہے، صبح وشام کی یہ تبدیلی اپنے اندر راحت کا بڑا سامان رکھتی ہے، اگر رات ہی رات رہے تو انسان عاجز آجائے گا، کاروبارِ زندگی رک جائے گا اور اسی طرح اگر دن ہی دن ہو،

(۱) ترمذی، رقم: ۳۳۹۱

شام ہوکر رات آئے ہی نہ تو انسانی زندگی تلخ ہوجائے گی، بدن کا نظام الٹ پلٹ جائے گا، معلوم ہوا کہ صبح وشام جو دن اور رات کے لیے نقطۂ آغاز ہیں، اللہ کی بہت بڑی نعمت ہیں اور نظامِ کائنات

کے استحکام کا اٹوٹ حصہ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات اور عملی نمونہ سے امت کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ ہر صبح وشام اللہ کی قدرتِ کاملہ اور اس کے بے پناہ احسانات کو یاد کرے، اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کو تازہ اور مستحکم کرے اور اُس اہم وقت میں اپنے رب کے سامنے دعائیں کرے، اُس وقت مناسب دعا کیا ہوگی؟ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے مزید احسان فرمایا کہ صبح وشام کی مناسب دعا بھی تلقین فرمادی، ہمیں چاہیے کہ ہم ان دعاؤں کی قدر کریں، اسے حرزِ جان بنائیں، جس کا مناسب اور موثر طریقہ یہ ہے کہ ہم وہ دعائیں یاد کریں، ان کے مضامین میں غور کریں اور روزانہ کے معمولات کا حصہ بنالیں۔

مذکورہ دعا کے علاوہ صبح وشام کی اور دعائیں بھی منقول ہیں، بڑی کتابوں سے یاد کر سکتے ہیں، صبح کے وقت پڑھنے کی ایک جامع دعا پیچھے بھی گذری ہے، مذکورہ دعا چوں کہ آسان ہے اور صبح وشام کے الفاظ میں معمولی سا فرق ہے؛ اس لیے اِسی کا انتخاب کیا گیا ہے، اللہ ہمیں اہتمام کی توفیق عطا فرمائے۔

حکمت اور پیغامِ نبوی

۱- رسول اللہ ﷺ نے اِس حدیث میں ہدایت فرمائی ہے کہ جب صبح یا شام ہو تو اللہ تعالیٰ کی (صبح وشام والی) نعمت کا احساس واعتراف کیا جائے، اسی کے ساتھ اِس کو بھی یاد کیا جائے کہ جس طرح اللہ کے حکم سے دن کی عمر ختم ہو کر رات آتی ہے اور رات کی عمر ختم ہو کر دن نکلتا ہے، اسی طرح اس کے حکم سے ہماری زندگی چل رہی ہے اور اُسی کے حکم سے مقررہ وقت پر موت آجائے گی اور پھر اللہ کے حضور میں پیشی ہوگی، الغرض روزانہ صبح وشام اللہ کی نعمت کا اعتراف اور موت اور آخرت کو یاد کیا جائے، نہ صبح کو اِس سے غفلت ہو نہ شام کو۔(۱)

---

(۱) معارف الحدیث: ۱۲۰/۵

۲- مذکورہ دعا میں یہ پیغام ہے کہ شب وروز کا یہ سلسلہ ایک طرف آدمی کو وقت کے گذرنے کا احساس دلائے کہ اس کی مختصر زندگی میں سے ایک دن اور کم ہوگیا ہے اور وہ اپنے انجام

سے روز بہ روز قریب سے قریب تر ہوتا چلا جا رہا ہے تو دوسری طرف یہ سلسلہ اسے زندگی اور موت کا بہ اندازِ تمثیل مشاہدہ کرائے، وہ دن کی چہل پہل اور سرگرمیاں دیکھنے کے بعد یہ دیکھے کہ رات نے کس طرح ہر چیز پر موت طاری کر دی ہے، چرند پرند، انسان وحیوان، سب نیند کی آغوش میں جا سوتے ہیں اور پھر وہ خود نیند کی پرسکون وادی میں اتر کر موت کے تجربے سے گذرے۔

۳- فطرت کے سب مظاہر انسان کی یاد دہانی کے لیے ہیں؛ مگر انسان اپنے کاموں میں گم ہو کر ان مَظاہرِ فطرت سے عبرت حاصل نہیں کرتا؛ بلکہ ان بڑے بڑے تغیرات کو بھی وہ معمول کے چھوٹے چھوٹے واقعات کی طرح توجہ دیے بغیر آگے بڑھ جاتا ہے، ان اوقات میں یہ دعا اِسی لیے سکھائی گئی ہے کہ یہ دعا بندۂ مومن کی توجہ ان مظاہر کی طرف مبذول کرے؛ تاکہ وہ ان آیاتِ الٰہی میں غور وفکر کر کے ان حقائق کو اپنے ذہن میں تازہ کرے، جنھیں وہ اپنے کاموں میں مصروف ہو کر بھلا چکا تھا۔

دینِ اِسلام نے یاد دہانی کا ایسا نظام اِس لیے قائم کیا ہے؛ تاکہ آدمی زندگی کی چہل پہل میں اپنے رب کو بھول کر کہیں شر کی بھول بُھلیا پر نہ جا نکلے؛ چناں چہ دین اسے ہر موڑ پر یہ احساس دلاتا ہے کہ وہ خدا کے حضور پیش ہونے کے لیے طوعاً وکرھاً آگے بڑھ رہا ہے۔

۴- مذکورہ دعا میں صبح وشام میں حاصل ہونے والی نعمتوں پر شکرِ الٰہی کی ادائیگی کا پیغام ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا اعتراف واستحضار کر کے اپنی عبدیت، بندگی اور عاجزی کا اِظہارِ کامل ہے۔

(۳۹) سوتے وقت پڑھنے کی دعا

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو آرام فرمانے کے لیے بستر پر لیٹتے تو اپنا ہاتھ رخسارِ مبارک کے نیچے رکھ لیتے (یعنی داہنا ہاتھ داہنے رخسار کے نیچے رکھ کر داہنی کروٹ پر قبلہ رو لیٹ جاتے) اور پھر اللہ کے حضور میں عرض کرتے۔

اللهمَّ باسمِكَ أموتُ وأحْيَي. (۱)

ALLAHUMMA,BISMIKA,AMOOTU,WA,AHYAA

ترجمہ: اے اللہ! تیرے ہی نام پر میرا مرنا (سونا) اور تیرے ہی نام پر میرا جینا (بیدار ہونا) ہے۔

تشریح: اسلام ایک کامل دین ہے، انسانی زندگی کے تمام مراحل اسلام کی تعلیمات سے روشن ہیں، اسلام نے نیند کی حالت کو بھی فراموش نہیں کیا، اسلام نے نیند کے وقت کے مستقل آداب وسنن بتائے ہیں، جن پر عمل کرنا سکون واطمینان کی نیند کا ذریعہ ہے، اور جن سے غفلت، بے اطمینانی، بے سکونی اور بے کیفی کا سبب ہے، سرکارِ دو عالم ﷺ سے سونے کے تعلق سے مختلف دعائیں اور اذکار منقول ہیں، ہمیں وہ ساری دعائیں یاد کرنی چاہییں، اور جب تک وہ دعائیں یاد نہ ہوں مذکورہ مختصر دعا پڑھنی چاہیے، ان شاء اللہ اِس کے انوار وبرکات خوب محسوس کریں گے۔

حکمت اور پیغامِ نبوی

بیدار ہونے، صبح وشام کو پڑھنے اور سوتے وقت پڑھنے کی دعاؤں کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت پر مطالعاتی نگاہ ڈال لی جائے، اللہ کا ارشاد ہے: **اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرٰى إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ.** (۱)

(۱) بخاری، رقم: ۶۳۱۴

اللہ تمام روحوں کو اُن کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے اور جن کو ابھی موت نہیں آئی ہوتی، اُن کو بھی اُن کی نیند کی حالت میں (قبض کر لیتا ہے) پھر جن کے بارے میں اُس نے موت کا فیصلہ کر لیا، اُنھیں اپنے پاس روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک مُعیَّن وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے، یقیناً اِس بات میں اُن لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔

اِس آیت میں نیند کی حالت میں روح قبض کرنے سے مراد اِحساس و شعور، فہم و اِدراک اور اختیار و اِرادہ کی قوتوں کو معطل کر دینا ہے، اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو یہ اِحساس دلایا ہے کہ موت و حیات کس طرح اُس کی قدرت میں ہے، کوئی شخص بھی یہ گارنٹی نہیں دے سکتا کہ رات کو جب وہ سوئے گا تو صبح لازماً زندہ ہی اٹھے گا، کسی کو یہ معلوم نہیں کہ ایک دم اس پر کیا آفت آسکتی ہے اور دوسرا لمحہ اُس پر زندگی کا لمحہ ہوتا ہے یا موت کا، یعنی جن کی موت نہیں آئی ہوتی اللہ تعالیٰ ان کو بھی ہر روز موت اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے کا ایک نوعیت کا تجربہ کراتے ہیں اور اِس طرح ہر شخص کو ہر روز یہ دکھایا جا رہا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو ہمیشہ کی زندگی نہ سمجھے؛ بلکہ اپنی حیاتِ مستعار کی حقیقت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھے۔

۱- مذکورہ دعائیں اِسی لیے تلقین کی گئی ہیں کہ آدمی رات کو سوتے وقت موت کو یاد کرے، جیسے ہی آدمی کو موت یاد آئے گی، اُسے اپنے گناہ یاد آئیں گے اور وہ اُن پر اللہ سے معافی کا خواستگار ہوگا؛ پس وہ گناہوں سے پاک صاف ہو جائے گا۔

۲- اللہ کے نام کی برکت سے سونے اور اٹھنے کا حکم اِس لیے ہے؛ تاکہ انسان سوتے وقت اللہ کی ذات کا سہارا حاصل کر لے؛ تاکہ نیند کی حالت میں جو حوادث و آفات اچانک پیش آسکتے ہیں، ان میں اللہ کا سہارا اُسے حاصل رہے اور اگر وہ نیند کی حالت میں مر جائے تو یہ دعا اُس کے ایمان کی سلامتی کی گواہ بن کر اس کے ساتھ جائے اور اگر وہ صحیح سالم بیدار ہو تو دنیائے فانی میں اُس کے انوار و برکات محسوس کر سکے؛ سرکارِ دو عالم ﷺ سے یہ مضمون ایک دوسری دعا میں یوں منقول ہے کہ اے اللہ! تو نے ہی مجھے پیدا کیا ہے اور تو ہی جب چاہے گا میری روح قبض کر لے گا

(۱) سورہ زمر ۳۹: ۴۲

یہ میرا مرنا اور جینا تیرے ہی اختیار میں ہے، اگر تو مجھے زندہ رکھے تو ہر بلا اور گناہ سے اور شر و فتنہ کی

ہر بات سے میری حفاظت فرما اور اگر تیرا فیصلہ میری موت کا ہو تو میری مغفرت فرما اور مجھے بخش دے، اے میرے اللہ! میں تجھ سے معافی اور عافیت کا سائل ہوں (تو میرے لیے معافی کا اور دنیا وآخرت میں عافیت کا فیصلہ فرما)۔(۱)

۳- مذکورہ دعا میں أموت پر أحیی کے عطف سے صبح خیر وعافیت کے ساتھ اٹھنے کی دعا بھی شامل ہے کہ اب میں موت (نیند) کے آغوش میں جا رہا ہوں، اے اللہ مجھے زندگی کی نعمت حاصل رہے اور میں صبح خیریت سے اٹھوں اور خدا کے صالح بندوں کی طرح زندگی بسر کروں۔

۴- مذکورہ دعا پڑھنے سے ان شاء اللہ فجر کی نماز با جماعت ادا کرنے کی توفیق ملے گی۔

مزید تفصیلات کے لیے بیدار ہونے کی دعا اور شام کے وقت پڑھنے کی دعا کے تحت لکھی گئیں تفصیلات کا مطالعہ کریں، ان سب کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ شریعت یہ چاہتی ہے کہ مسلمان ہر لمحہ اپنا رشتہ اپنے رب سے جوڑے رکھے؛ آج اِس تعلق سے غفلت عام ہے، مسلمانوں کی اکثریت سوتے وقت اور بیداری کے وقت مذکورہ دعاؤں کے اہتمام سے غافل ہے، اور موبائل نے تو رہی سہی کسر پوری کردی، جب انسان تکیہ پر سر رکھتا ہے تو اپنے ہاتھوں میں موبائل لیتا ہے اور کانوں میں ایرفون ہوتا ہے، موبائل کی مثبت یا منفی مصروفیت دعا پڑھنے کی فرصت ہی نہیں دیتی اور کب نیند آجاتی ہے معلوم نہیں، اور اِس طرح ہم اللہ کی پناہ سے اپنے آپ کو نکال لیتے ہیں اور ہمیں احساس بھی نہیں ہوتا اور صبح کی نماز قضا ہو جاتی ہے، اِس صورتِ حال کا بدلنا ہماری ذمہ داری ہے، یقین مانیے، اِن دعاؤں کو اوپر ذکر کیے گئے احساسات کے ساتھ اگر پڑھ کر سوئیں گے تو ان کے انوار وبرکات کھلی آنکھوں دیکھیں گے، اللہ ہمیں توفیق دے۔

---

(۱) مسلم، رقم: ۲۷۱۲

(۴۰) زیارتِ قبور کی مختصر دعا

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ قبرستان جاتے تو یہ دعا پڑھتے تھے:

السلامُ علیکم دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِیْنَ وإنَّا إنْ شَاءَ اللّٰهُ بكُمْ لا حِقُوْنَ. (۱)

ASSALAAMU,A'LAIKUM,DAARAQAUMIMMUMINEEN, WA,INNAA,IN,SHAA,ALLAHU,BIKUM,LAAHIQOON.

ترجمہ: سلامتی ہو تم پر اے مومن قوم کی بستی میں رہنے والو، اور بے شک ہم بھی اگر خدا نے چاہا تو تم سے آملیں گے۔

تشــــریــح: قرآن واحادیث کی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی زندگی ناپائیدار ہے اور آخرت ہی اصل زندگی ہے، آخرت کی یاد سے دنیوی زندگی کی بے ثباتی اور ناپائیداری کا احساس ہوتا ہے اور آخرت کی حقیقی اور پُرلطف زندگی کے لیے حسن عمل کا جذبہ اور رغبت پیدا ہوتی ہے، آخرت کی یاد، موت کی یاد سے مربوط ہے، اِس لیے اگر یہ کہا جائے کہ ''زیارتِ قبور'' یادِ آخرت کا اہم ذریعہ ہے تو بجا ہوگا، گورِ غریباں اور شہرِ خموشاں میں جا کر ہی بدرجہ اتم یہ احساس ہوتا ہے کہ موت کتنی بڑی اور سچی حقیقت ہے، پکی قبریں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ جب زندگی کی ساری کمائیاں موت سے ضرب کھاتی ہیں تو نتیجہ صِفر نکلتا ہے، قبرستان میں موجود قبریں درحقیقت واعظِ رب ہیں جو بہ زبان حال اپنے رب کا پیغام سناتی ہیں کہ ع

اِس مختصر حیات پہ اِترایئے نہیں ☆ دو ہچکیوں میں تارِ نَفَس ٹوٹ جائے گا

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے ☆ یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

بت پرستی میں مبتلا قومیں جب حلقہ بہ گوشِ اِسلام ہوئیں تو آں حضرت ﷺ نے ابتدائی

---

(۱) صحیح مسلم، رقم: ۲۴۹

زمانہ میں کچھ عرصہ کے لیے مسلمانوں کو قبروں پر جانے سے منع فرمایا تھا؛ اندیشہ یہ تھا کہ لوگ دوبارہ بت پرستی اور قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کی لعنت میں گرفتار ہو جائیں گے؛ لیکن جب ظاہری اِسلام، باطنی ایمان سے بدل گیا، توحیدی مزاج میں تصلُّب پیدا ہو گیا اور دلوں میں اِسلام راسخ اور پختہ ہو گیا تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے تشریعی اختیارات کی بنا پر سابقہ حکم کو منسوخ قرار دیا اور افرادِ امت کو زیارتِ قبور کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تم قبروں کی زیارت کیا کرو؛ کیوں کہ یہ موت کو یاد دلاتی ہے(۱) زیارتِ قبور جہاں ایک طرف آخرت کی یاد دلاتی ہے وہیں دوسری طرف اعمال صالحہ اور نیکیوں میں اضافہ کرتی ہے، اِسی لیے فقہاء اور ائمۂ حدیث وتفسیر نے زیارت قبور کے جواز واستحباب پر دلالت کرنے والی احادیث کی روشنی میں، شرح وبسط کے ساتھ اس کی مشروعیت کو بیان کیا ہے اور مرد وعورت یعنی تمام مسلمانوں کو زیارتِ قبور کی اجازت دی ہے، علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:

وفي هذا الحديث دليل لاستحباب زيارة القبور والسلام على أهلها والدعاء لهم والترحم عليهم. (۲)

حکمت اور پیغامِ نبوی

۱- السلام علیکم کے ذریعہ عقیدۂ توحید کو مستحکم کرنے کی خوب صورت تعلیم دی گئی ہے، مولانا سرفراز خان صفدرؒ کا بصیرت افروز تبصرہ پڑھیے:

> کس طرح توحید کی نعمت عظمی کو محفوظ کیا گیا ہے کہ زیارت قبور کی سنت کو ادا کرتے وقت اصحابِ قبور پر سلامتی کا تحفہ بھیجنا چاہیے، نہ یہ کہ ان سے کچھ طلب کیا جائے؛ کیوں کہ دینا اور لینا تو صرف خدا تعالیٰ کا کام ہے، اور ساتھ ہی اپنی موت کا حوالہ بھی دیا جا رہا ہے؛ تا کہ موت سے غافل ہو کر فکرِ آخرت سے بے خبر نہ ہو جائے۔(۳)

۲- تمام علماء کے نزدیک قبروں کی زیارت مستحب ہے؛ کیوں کہ قبروں پر جانے سے دل میں نرمی پیدا ہوتی ہے، موت یاد آتی ہے، دنیا کی بے ثباتی پر یقین میں پختگی پیدا ہوتی ہے، دینی اُخوت ومحبت اور اُنس ومہربانی کا تعلق صرف زندگی تک محدود نہ رہے؛ بلکہ مرنے کے بعد بھی اس کا

(۱) مسلم رقم: ۹۷۶ (۲) شرح النووی علی مسلم: ۷/۴۱ (۳) چالیس دعائیں ص: ۳۲

اظہار ہونا چاہیے؛ لہٰذا زیارت قبور کو مستحب قرار دیا گیا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہاں جا کر مُردوں کے لیے رحمت ومغفرت کی دعا کا موقع ملتا ہے، جو مُردوں کے لیے ایک قیمتی تحفہ سے کم نہیں؛ چناں چہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا جنت البقیع تشریف لے جانا اور وہاں کے مُردوں پر سلام پیش کرنا حدیث سے ثابت ہے۔

اس لیے شریعت نے قبروں پر جانے کے کچھ اداب واحکام بتائے ہیں، اُن میں سرِ فہرست ادب وحکم یہ ہے کہ قبرستان میں داخل ہونے کے بعد، مُردوں کو سلام کیا جائے؛ کیوں کہ میت کی زیارت، اُس کی زندگی میں ملاقات کی طرح ہے، جیسے زندگی میں بوقتِ ملاقات، سلام کیا جاتا ہے، مرنے کے بعد بھی ویسے ہی سلام کرنا چاہیے۔

۳- موت ایک امرِ واقعی ہی: اس کے باوجود سرکارِ دو عالم ﷺ کا ان شاء اللہ کہنا اِس بات کی جانب مشیر ہے کہ اپنے کلام میں حصولِ برکت کے لیے ان شاء اللہ ضرور کہنا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: **وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ** (۱) یعنی آپ کسی کام کی نسبت یوں نہ کہا کیجیے کہ میں اس کو (مثلا) کل کروں گا مگر خدا کے چاہنے کو اس کے ساتھ ملا دیا کیجیے، ہم قبرستان میں کھڑے ہو کر یہ ضرور خیال کریں کہ جب تک ہماری روح ہمارے جسم میں موجود ہے ہمیں آئندہ ہونے والی باتوں کی خبر اور اطلاع کے وقت ان شاء اللہ کہنا چاہیے، تفویض الی اللہ ہمارا شیوہ اور شعار ہونا چاہیے۔

انسان کی موت کی جگہ کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، مرنے کے بعد انسان اپنے وطن کی خاک کا پیوند ہوگا یا نہیں بجز خدا کے کسی کو معلوم نہیں، **وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ** (۲) مذکورہ دعا کے اس دوسرے ٹکڑے میں یہ پیغام ہے کہ انسان قبرستان میں خدا کے سامنے یہ تمنا کرے کہ ہم اسی قبرستان میں ان شاء اللہ مدفون ہوں گے، اے اللہ! حادثاتی موت سے ہماری حفاظت فرما، گمنام موت سے بچانا، إن الاستثناء عائد على اللحوق بالمكان المتبرك لأنه مشكوك فيه. (۳)

قبروں کے تعلق سے کچھ ضروری باتیں

سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قبروں پر مت بیٹھو اور ان کی طرف منہ کر کے نماز مت

(۱) سورہ کہف، ۱۸: ۲۳ (۲) سورہ لقمان، ۳۱: ۳۴ (۳) مرقاۃ المفاتیح: ۱/ ۳۵۹

پڑھو۔(۱)

دوسری روایت میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے قبریں پختہ بنانے سے اور ان پر کتبے لگانے سے اور ان پر عمارت بنانے سے اور ان کو روندنے سے منع فرمایا۔(۲)

مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ قبور کے ساتھ معاملہ میں اِفراط وتفریط سے بچا جائے، نہ ان کی توہین کی جائے اور نہ تعظیم؛ بلکہ ان کے ساتھ اعتدال برتا جائے، اِفراط: یہ ہے کہ قبریں اونچی اونچی بنائی جائیں، پختہ بنائی جائیں، قبروں پر گنبد بنایا جائے، ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے، ان پر کتبہ لگایا جائے، ان پر پھول ڈالے جائیں، ان پر چادریں چڑھائی جائیں اور اُن پر چراغاں کیا جائے، یہ سب افعال شرکیہ ہیں یعنی ان کا مآل شرک ہے، اور تفریط: یہ ہے کہ ان کو روندا جائے، ان پر چلا جائے، ان پر بیٹھا جائے اور ان پر قضائے حاجت کی جائے اور اعتدال: یہ ہے کہ دل میں قبور کی قدر ومنزلت ہو اور ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو سنت سے ثابت ہے یعنی قبروں کی زیارت کے لیے جانا اور ان کے پاس کھڑے ہو کر ایصال ثواب کرنا اور دعائے مغفرت کرنا فقط، اور قبروں پر بیٹھنا، مراقبہ کرنا اور ذکر وغیرہ کرنا ثابت نہیں.........

بعض لوگ قبروں پر مراقبہ کرتے ہیں، گھنٹوں سر جھکائے بیٹھے رہتے ہیں اور بعض لوگ ذکر جہری کرتے ہیں، یہ سب باتیں غیر ثابت اور بدعت ہیں، ان سے احتراز کرنا چاہیے اور اِس سلسلے میں کسی بھی بزرگ کا عمل حجت نہیں، حجت قرآن وحدیث اور قرونِ ثلاثہ کا تعامل ہے۔(۳)

عورتوں کے لیے زیارتِ قبور کا حکم

حصولِ عبرت اور تذکیرِ آخرت کے لیے عورتوں کا قبروں کی زیارت کرنا جائز ہے؛ البتہ

(۱) ترمذی، رقم: ۱۰۵۰ (۲) ترمذی، رقم: ۱۰۵۲ (۳) تحفۃ الالمعی: ۳/۳۶۱

عورتیں چوں کہ بے صبر ہوتی ہیں، اپنے کسی قریبی عزیز کی قبر پر جا کر جزع فزع کریں اور اس طرح چیخیں چلائیں جس سے شریعت نے منع کیا ہے یا قبرستان میں ان کا جانا باعثِ فتنہ اور بے پردگی و بے حیائی کا ذریعہ ہو، محرم ساتھ نہ ہو یا ایسا موقع ہو جہاں مرد و زن کا اختلاط ہو تو اس صورت میں عورتوں کا زیارتِ قبور کے لیے جانا بلاشبہ ممنوع ہے اور اگر محرم کے ساتھ باپردہ قبرستان جائے اور وہاں جا کر دعا کرے، اپنی موت یاد کرے تو اجازت ہے؛ تاہم موجودہ پرفتن اور پرآشوب دور میں عورتوں بالخصوص جوان لڑکیوں کا قبرستان جانا، بہرحال موجبِ فتنہ ہے؛ اس لیے احتراز قرینِ قیاس بات ہے۔

وكره ذلك للشابات كحضورهم في المساجد للجماعة. (۱)

مزاروں پر حاضری

قبور کی زیارت کا پہلا مقصد تو عبرت اور استحضارِ موت ہے، اس کے ساتھ صاحبِ قبر اگر نیک، متقی اور خدارسیدہ بزرگ ہو تو زائر کو باطنی فیوض و برکات بھی ملتی ہیں؛ لیکن ہندوپاک کے اولیاء اللہ کے مزارات پر لوگوں کی حاضری بے مقصد ہے، وہاں جا کر کوئی شخص بھی نہ اپنی موت یاد کرتا ہے اور نہ ہی خشیتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے، ان مزارات کی زیارت محض ایک مشقت بھری رسم ہے، تذکیرِ موت اور فکرِ آخرت کا مقصد تو گورِ غریباں میں جا کر پورا ہوتا ہے؛ اِس لیے اگر زیارتِ قبور کے لیے جانا ہے تو مزارات کے بجائے محلے اور شہر کے قبرستان میں ہر مہینہ کم از کم ایک مرتبہ جانا چاہیے۔

ہندوپاک کے مزاروں کے زائرین عموماً حصولِ فیض کے بجائے گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں، فرض نماز کی جماعت ہو رہی ہوتی ہے اور لوگ فاتحہ خوانی میں مصروف ہوتے ہیں، نماز کا وقت نکل رہا ہوتا ہے اور زائرین مزار پر پھول اور چادر چڑھانا ضروری سمجھتے ہیں، یہ تو عام دنوں کی بات ہے، اگر موقع سالانہ عرس کا ہو تو الامان والحفیظ، اختلاطِ مرد و زن کا نظارہ اِسلام کی شبیہ بگاڑنے کا سبب ہوتا ہے؛ اِس لیے عوام میں بیداری کی ضرورت ہے۔

لمحۂ فکریہ

اب لوگوں میں زیارتِ قبور کا سلسلہ تقریباً ختم ہو گیا ہے، سال کا سال گذر جاتا ہے اور

---

(۱) حاشیۃ الطحطاوی: ۶۲۰/۱، فصل فی زیارۃ القبور، شاملہ

گورِ غریباں میں کوئی نہیں جاتا، یہ بریلویوں کے ساتھ اختلاف کا ردِعمل ہے، لوگوں نے ایسا سمجھ لیا ہے کہ ہم دیوبندیوں کو قبرستان بالکل نہیں جانا چاہیے، زیارت قبور مامور بہ ہے، اِس میں اَموات کا بڑا فائدہ اور زندوں کا بھی فائدہ ہے، اپنی موت یاد آتی ہے اور دنیا سے دل اکھڑتا ہے؛ پس گاہ بہ گاہ عام قبرستان میں جانا چاہیے، اس کی طرف سے غفلت ٹھیک نہیں۔ (۱)

زیارتِ قبور اور شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کا طرزِ عمل

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ نے مزاروں پر حاضری کے تعلق سے اپنا معمول یوں لکھا ہے:

مزاروں پر حاضری کے وقت مندرجہ ذیل عمل کرتا ہوں:

السلامُ علیکم دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِیْنَ أنتم سَلَفُنَا ونَحنُ بالأَثَرِ وإنَّا إنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لا حِقُوْنَ (۲) یَغْفِرُ اللهُ لَنَا ولَكُم أَجْمَعِیْنَ وصَلَّى اللهُ عَلَى سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا محمدٍ و آلهِ وصَحبِهٖ وبَارَكَ وَسَلَّمَ سلامٌ عَلَیكُم بِمَا صَبَرْتُم فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ.

پھر درود شریف ۳؍ بار، سورہ فاتحہ ۳؍ بار، سورہ اخلاص ۱۲؍ بار، درود شریف ۳؍ بار پڑھ کر صاحب مزار کو بخش کر اس کے اور تمام گردوپیش کے مدفونین کے لیے دعاء مغفرت کرتا ہوں۔ (۳)

اللہ تعالیٰ ہمیں حضور ﷺ، صحابہ کرام اور ان کے تابعین بالاحسان کے طریقہ کے مطابق زیارتِ قبور کی توفیق عطا فرمائے اور دنیا سے بے رغبت کر کے سفرِ آخرت کا راہی بنائے، آمین۔

---

(۱) تحفۃ الالمعی: ۳/۲۶۶

(۲) سلام کے مذکورہ کلمات حدیث کی مستند کتابوں میں نہ مل سکے؛ البتہ ترمذی میں یوں ہے: **السلام علیکم یا أهل القبور، یغفر الله لنا ولکم، انتم سَلَفنا ونحن بالأثر** (سلام ہو تم پر اے قبر والو! اللہ تعالیٰ ہماری اور تمھاری مغفرت فرمائے، تم ہم سے آگے جانے والے ہو اور ہم پیچھے پیچھے آرہے ہیں) (ترمذی، رقم: ۱۰۵۳) یعنی شیخ نے دعا وسلام کے جو کلمات ذکر کیے ہیں وہ روایت بالمعنی کے قبیل سے ہے۔

(۳) مکتوبات شیخ الاسلام: ۳/۲۳۶، مکتوبات نمبر: ۹۹، مکتبہ دینیہ دیوبند ۲۰۰۴ء

فہرست مراجع (الفبائیاً)

مطبوعہ	وفات	اسمائے مصنفین	اسمائے کتب	شمار
			القرآن الکریم	۱
دارالکتاب دیوبند	۱۳۶۲ھ	مولانا اشرف علی تھانویؒ	احکام اسلام عقل کی نظر میں	۲
ادارہ اسلامیات لاہور		مفتی تقی عثمانی زید مجدہ	اسلام اور ہماری زندگی	۳
المكتبة الشاملة	٦٧٦ھ	محي الدين يحي بن شرف النوويؒ	الأذكار	۴
المكتبة الشاملة	٥٠٥ھ	محمد بن محمد الغزاليؒ	إحياء علوم الدين	۵
دارالعلوم حیدرآباد		محمد تبریز عالم قاسمی	اسلام کا نظام سلام ومصافحہ	۶
اسلامک پبلیکیشنز لاہور		محمد یوسف اصلاحیؒ	آداب زندگی	۷
مکتبہ معارف القرآن کراچی		مفتی تقی عثمانی زید مجدہ	آسان ترجمہ قرآن	۸
المكتبة الشاملة	٢٥٦ھ	محمد بن إسماعيل البخاريؒ	الأدب المفرد	۹
دارالاشاعت دیوبند	۱۴۲۲ھ	مفتی رشید احمدؒ	احسن الفتاویٰ	۱۰
المكتبة الشاملة	٨٥٥ھ	بدر الدين العينيؒ	البناية شرح الهداية	۱۱
المكتبة الشاملة	٦٠٦ھ	فخر الدين الرازيؒ	التفسير الكبير	۱۲
مکتبہ حجاز دیوبند ۲۰۰۷ء		مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہ	تحفۃ الالمعی	۱۳
المكتبة الشاملة	٥٠٢ھ	حسين بن محمد الراغب الأصفهانيؒ	تفسير الراغب	۱۴
؍؍ ؍؍	۱۰۳۱ھ	زين الدين المناويؒ	التيسير بشرح الجامع الصغير	۱۵
؍؍ ؍؍	٢٧٩ھ	محمد بن عيسىٰ الترمذيؒ	جامع الترمذي	۱۶
؍؍ ؍؍	٦٠٦ھ	ابن الأثير الجزريؒ	جامع الأصول	۱۷
مکتبہ اشرفیہ پاکستان		ترتیب: مفتی مہربان علیؒ	جامع الفتاویٰ	۱۸
مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ	۲۰۰۹ء	مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ	چالیس دعائیں	۱۹

٢٠	حقائق سنن	مولانا عبدالحق پاکستانی	١٤٠٩ھ	موتمر المصنفین اکوڑہ خٹک
٢١	حجة الله البالغة	الشاه ولي الله المحدث الدهلوي	١١٧٦ھ	المكتبة الشاملة
٢٢	حلية الأولياء	أحمد بن عبد الله الأصبهاني	٤٣٠ھ	// //
٢٣	الدر المنضود	مولانا محمد عاقل صاحب زید مجدہ		مکتبۃ الشیخ کراچی ٢٠٠٨ء
٢٤	درس ترمذی	مفتی تقی عثمانی زید مجدہ		مکتبہ دار العلوم کراچی ٢٠١٠ء
٢٥	الداء والدواء	محمد بن أبي بكر ابن قيم	٧٥١ھ	المكتبة الشاملة
٢٦	رحمۃ اللہ الواسعہ	مفتی سعید احمد پالن پوری زید مجدہ		مکتبہ حجاز دیوبند
٢٧	رد المحتار على النر المختار	ابن عابدين الشامي	١٢٥٢ھ	المكتبة الشاملة
٢٨	زاد المعاد	محمد بن أبي بكر ابن قيم	٧٥١ھ	مؤسسة الرسالة بيروت
٢٩	سنن ابن ماجه	أبو عبد الله محمد بن يزيد	٢٧٣ھ	المكتبة الشاملة
٣٠	السنن الكبرى للنسائي	أحمد بن شعيب النسائي	٣٠٣ھ	المكتبة الشاملة
٣١	سنن أبي داؤد	أبو داؤد سليمان بن أشعث	٢٧٥ھ	// //
٣٢	شرح النووي	محي الدين يحي بن شرف النووي	٦٧٦ھ	// //
٣٣	سنن ابن ماجہ مترجم	مولانا محمد قاسم امین صاحب		مکتبۃ العلم لاہور، پاکستان
٣٤	الصحيح للبخاري	محمد ابن إسماعيل البخاري	٢٥٦ھ	// //
٣٥	الصحيح للمسلم	مسلم بن الحجاج	٢٦١ھ	// //
٣٦	عمل اليوم والليلة	أحمد بن محمد ابن السني	٣٦٤ھ	دار القبلة جده
٣٧	غصہ کا وبال اور اس کا علاج	مولانا اشرف علی تھانویؒ	١٣٦٢ھ	ادارہ افادات اشرفیہ لکھنؤ
٣٨	غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ	مولانا طارق امیر خان صاحب		زم زم پبلشرز کراچی ٢٠١٣
٣٩	الوابل الصيب من الكلم الطيب	محمد بن أبي بكر ابن قيم	٧٥١ھ	المكتبة الشاملة
٤٠	فلسفۂ تسمیہ	ڈاکٹر محمد طاہر القادری		منہاج القرآن پرنٹرز لاہور
٤١	فتاویٰ عثمانی	مفتی تقی عثمانی زید مجدہ		مکتبہ معارف القرآن کراچی
٤٢	فيض القدير	زين الدين المناوي	١٠٣١ھ	المكتبة الشاملة
٤٣	فتح الباري	حافظ أحمد بن علي بن حجر العسقلاني	٨٥٢ھ	// //

مؤلف کی دوسری کتاب

سلام، مصافحہ اور معانقہ کا انسائیکلوپیڈیا

- تاریخِ سلام
- آیاتِ سلام
- احادیثِ سلام
- متفرقاتِ سلام
- سلام کی غلطیاں
- تحفۂ سلام
- احکام و مسائل
- ممنوعاتِ سلام
- رموزِ سلام
- مسائلِ معانقہ
- دست بوسی و قیام
- درود و سلام

تالیف

محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی

خادم الحدیث دارالعلوم حیدرآباد

وسابق معین المدرسین دارالعلوم دیوبند

اکابر کی نظر میں

۔ مقامِ خوشی ہے کہ نوجوان فاضل عزیزم مفتی محمد تبریز عالم صاحب قاسمی سلمہ اللہ تعالیٰ نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور انتہائی بسط و تفصیل سے اسلام کے نظامِ سلام و مصافحہ پر بحث کی ہے، راقم الحروف کی محدود معلومات کی حد تک اس موضوع پر اتنی مفصل کوئی کتاب اردو میں موجود نہیں ہے۔

کتاب میں آیات و احادیث کی روشنی میں سلام و مصافحہ کی اہمیت، فضیلت، مسائل اور احکام و آداب، نیز دیگر ادیان و مذاہب کے نظامِ سلام پر اسلامی نظام کی برتری وغیرہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ یہ کتاب متعلقہ موضوع پر آسانی سے کام کرنے والوں کے لیے ماخذ و مرجع ثابت ہوگی، ان شاء اللہ۔

سعادت علی قاسمی (شیخ الحدیث مدرسہ ریاض العلوم گورینی، جونپور)

۔ عزیز محترم مولانا مفتی محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی سلمہ کو اللہ تعالیٰ بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے "اسلام کا نظام سلام و مصافحہ" کتاب لکھ کر امت پر بڑا احسان فرمایا، اپنے موضوع پر بہت شاندار کتاب لکھی، سلام و مصافحہ کے تمام ما لہ و ما علیہ کو بڑے سلیقہ کے ساتھ جمع فرمایا، سلام کی حقیقت، اس کی ابتداء، اس کے مواقع، اس کا اجر و ثواب اور اس سے متعلق بے شمار مسائل مستند کتابوں کے حوالوں کے ساتھ یکجا کر دیا، یہ کتاب اپنے بہت سے کارآمد عناوین، جاذب نظر مواد اور گراں قدر اوصاف کی حامل ہے، اب تک اس موضوع پر ایسی جامع اور وقیع کتاب نہیں آئی۔

حبیب الرحمٰن خیرآبادی حفظہ اللہ (صدر مفتی دارالعلوم دیوبند)

۔ بڑی مسرت کی بات ہے کہ مولانا مفتی محمد تبریز عالم صاحب قاسمی دامت برکاتہم جو دارالعلوم حیدرآباد کے ذی استعداد اور مقبول اساتذہ میں ہیں اور تبلیغی دعوتی حلقات میں اپنی ایک شناخت رکھتے ہیں، آپ نے اسلامی آداب میں سلام اور مصافحہ و معانقہ کے موضوع پر قابل قدر اور تفصیلی کتاب تصنیف کی ہے جو قوت استدلال اور اس باب کی جزئیات کے احاطہ کے لحاظ سے ایک بے نظیر کتاب ہے۔

محمد رحیم الدین انصاری (ناظم دارالعلوم حیدرآباد)